ستمبر ۱۹۹۷ء

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

○ عہدِ حاضر میں اجتہاد

تاریخ کے مختلف ادوار کے آئینے میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب جمعہ

اعلان داخلہ

قرآن کالج لاہور

"یک سالہ رجوع الی القرآن کورس" میں داخلے شروع ہیں

تعلیم یافتہ حضرات کے لئے علم قرآن سیکھنے کا نادر موقع

نصاب : عربی، منتخب نصاب قرآن، تجوید، تحریکی لٹریچر، اصول فقہ
اصول حدیث و مطالعہ حدیث

کم سے کم تعلیمی قابلیت : بی اے

فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ : 27 ستمبر97ء

انٹرویوز : 29 ستمبر97ء۔ صبح 00 : 9 بجے کالج کیمپس میں

آغاز کلاس : یکم اکتوبر97ء۔ ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

بی اے (دوسالہ کورس) میں داخلے شروع ہیں

پنجاب یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی، تجوید، ترجمہ و تفسیر قرآن
اور کمپیوٹر کی لازمی تدریس، سنجیدہ ماحول اور بامقصد تعلیم

فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ : 20 ستمبر97ء

انٹرویوز : 22 ستمبر۔ صبح 00 : 9 بجے کالج کیمپس میں

آغاز کلاس : 24 ستمبر97ء۔ ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

رابطہ و پراسپکٹس : 191۔ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد کرو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد :	۴۶
شمارہ :	۹
جمادی الاولیٰ	۱۴۱۸ھ
ستمبر	۱۹۹۷ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زر تعاون	۱۰۰/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

37/16/36
لائبریری
★ قرآن اکیڈمی کراچی ★

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ	22 ڈالر (800 روپے)
○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان	17 ڈالر (600 روپے)
○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر	10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700- فون: 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67- گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال _____ ۳

حافظ خالد محمود خضر

☆ تذکرہ و تبصرہ _____ ۵

عہد حاضر میں اجتہاد : تاریخ کے مختلف ادوار کے تناظر میں

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ ہماری دعوت _____ ۱۷

شہادت علی الناس

رحمت اللہ بٹر

☆ معاشیات اسلام _____ ۳۱

پاکستان میں بلاسود معیشت کے مسائل اور ان کا حل

☆ امت مسلمہ کی عمر _____ ۴۱

اور مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان (۴)

مترجم : پروفیسر خورشید عالم

☆ فکر عجم _____ ۶۳

علامہ اقبال اور مسلمانان عجم (۳)

ڈاکٹر ابو معاذ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ملک خداداد پاکستان جو ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک نو زائیدہ مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا آج اپنی عمر عزیز کے پچاس سال پورے کر چکا ہے۔ قیام پاکستان کے وقت اسلامیان ہند نے اس پاک سرزمین سے اپنی کیسی کیسی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ کی تھیں۔ تحریک پاکستان کے لاکھوں شہداء جن کا خون اس مملکت کی بنیادوں میں جذب ہوا' اسے اسلام کا گہوارہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پاک سرزمین کو پوری دنیا کے لئے ایک مینارۂ نور (Light House) بننا تھا جس سے نکلنے والی نورانی کرنیں دنیا کو اسلام کے اصول حریت واخوت ومساوات کا ایک نقشہ دکھا سکتیں۔ یہ ملک ان خواہشات کے ساتھ حاصل کیا گیا تھا کہ اس کے قیام سے اسلام کے روئے منور پر عرب دور ملوکیت میں پڑنے والے پردے ہٹائے جائے اور اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو اس کی اصل روح کے ساتھ دوبارہ قائم کرنے کا ایک نادر موقع مل سکے گا۔ اس خطہ زمین کے بارے میں کیسی کیسی امنگوں اور کیسے کیسے ارمانوں کا اظہار نہ کیا گیا ؎

یہ خطہ ہے زمانے میں نرالی شان کا خطہ
بڑی امید کا خطہ ' بڑے ارمان کا خطہ

اور اس کے بارے میں کیسے کیسے جذبات کو الفاظ کا جامہ نہ پہنایا گیا ؎

جو قلب مسلماں میں انگڑائیاں لیتا تھا
اس راز خلافت کی تفسیر ہے پاکستان!

لیکن واحسرتا کہ آج نصف صدی گزرنے کے بعد بھی قیام پاکستان کے اصل مقصد اور منزل مراد کی طرف کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہو سکی بلکہ رجعت قہقری کا یہ عالم ہے کہ آج بعض لوگ اس بنیاد ہی کا انکار کرنے لگے ہیں جس پر یہ عظیم عمارت تعمیر ہوئی تھی۔ چنانچہ پہلے تو صرف معمر سیاستدانوں کی طرف سے اس طرح کے شوشے چھوڑے جاتے تھے کہ "پاکستان محض معاشی مسئلے کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا" اور یہ کہ "یہ خالص سیاسی مسئلہ تھا' اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا" اور حد یہ کہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا

اللہ تو چند چھوکروں کا لگایا ہوا نعرہ تھا" لیکن اب ایک معروف اسلام پسند صحافی کی جانب سے بھی یہ گوہر افشانی ہوئی ہے کہ "قیام پاکستان کی جدوجہد احیاء اسلام یا نفاذ دین کے لئے نہیں کی گئی تھی بلکہ پاکستان بجائے خود مقصود و مطلوب تھا' جو قیام پاکستان کی صورت میں مسلمانان ہند کو حاصل ہو گیا"۔ گویا اس وقت پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی ع "کہ رہوار یقین مابصحرائے گماں گم شد!" کی عملی تصویر بنی نظر آتی ہے۔

اس صورتحال میں "بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل" کے جذبے کے ساتھ امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف "استحکام پاکستان" سے ایک اقتباس ہدیہ قارئین ہے' جو آج سے دس سال قبل پاکستان کی عمر کے چالیس سال مکمل ہونے پر منصہ شہود پہ آئی تھی :

اس پس منظر میں ہر صاحب فہم و شعور انسان لامحالہ اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ملک و ملت کے استحکام ہی نہیں بقا تک کے لئے حسب ذیل چیزیں ناگزیر اور لازمی ہیں :

(۱) ایک ایسا طاقتور انسانی جذبہ جو حیوانی جبلتوں پر غالب آ جائے اور قوم کے افراد میں کسی مقصد کے لئے تن من دھن لگا دینے حتیٰ کہ جان تک قربان کر دینے کا مضبوط ارادہ اور قوی داعیہ پیدا کر دے۔

(۲) ایک ایسا ہمہ گیر نظریہ جو افراد قوم کو ایک ایسے مضبوط ذہنی و فکری رشتے میں منسلک کر کے بنیان مرصوص بنا دے جو رنگ' نسل' زبان اور زمین کے تمام رشتوں پر حاوی ہو جائے اور اس طرح قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کا ضامن بن جائے!

(۳) عام انسانی سطح پر اخلاق کی تعمیر نو جو صداقت' امانت' دیانت اور ایفاء عہد کی اساسات کو از سر نو مضبوط کر دے اور قومی و ملی زندگی کو رشوت' خیانت' ملاوٹ' جھوٹ' فریب' ناانصافی' جانبداری' ناجائز اقربا پروری اور وعدہ خلافی ایسی تباہ کن برائیوں سے پاک کر دے۔

(۴) ایک ایسا نظام عدل اجتماعی (SYSTEM OF SOCIAL JUSTICE) جو مرد اور عورت' فرد اور ریاست' اور سرمایہ اور محنت کے مابین عدل و اعتدال اور قسط و انصاف' اور فی الجملہ حقوق و فرائض کا صحیح و حسین توازن پیدا کر دے!

(۵) ایک ایسی مخلص قیادت جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد نظر نہ آئے اور جس کے خلوص و اخلاص پر عوام اعتماد کر سکیں۔

تحریک پاکستان کے تاریخی اور واقعاتی پس منظر' اور پاکستان میں بسنے والوں کی عظیم

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

عہدِ حاضر میں اجتہاد

تاریخ کے مختلف ادوار کے تناظر میں

امیر تنظیم اسلامی کا ۱۲/ جنوری ۹۶ء کا خطاب جمعہ

"عہد حاضر میں اجتہاد" کے موضوع پر کچھ گفتگو میں اپنے گزشتہ خطاب جمعہ [۱] میں کر چکا ہوں۔ اس موضوع پر مجھے چھ نکات کے حوالے سے گفتگو کرنا تھی جن میں سے چار نکات پر گفتگو مکمل ہو چکی تھی۔ گویا چھ ابواب پر مشتمل ایک چھوٹی سی "کتاب الاجتہاد" ہمارے پیش نظر ہے جس میں سے چار ابواب ہم پڑھ چکے ہیں۔

گزشتہ مباحث کا خلاصہ

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ مباحث کے خلاصے پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

اجتہاد کا معنی و مفہوم : اجتہاد کا مادہ "ج ہ د" ہے اور "جُہد" کے معنی ہیں کوشش کرنا۔ اسی سے جہاد بنا ہے۔ یعنی کسی مقصد کے لئے مخالفتوں کے علی الرغم کوشش کرنا۔ جہاد کسی کے خلاف ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی آپ کا راستہ روک رہا ہے اور آپ کی سعی و جہد میں رکاوٹ ڈال رہا ہے اس کے ساتھ پنجہ آزمائی جہاد ہے۔ "اجتہاد" باب افتعال سے ہے اور اس کے لفظی معنی خود اپنے اوپر شدید مشقت جھیلنا' امکانی حد تک مشقت برداشت کرنا ہیں۔

اجتہاد کے اصطلاحی معنی کی وضاحت کے لئے ہم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا پورے متن اور ترجمے کے ساتھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اس حدیث کا

---

[۱] مضمون کے تسلسل کے لئے ملاحظہ فرمائیے : میثاق' جنوری ۱۹۹۷ء

مفہوم یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے یمن کا والی بنا کر بھیجا تو اس موقع پر الوداعی ملاقات میں آپؐ نے مجھ سے کچھ سوالات کئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ وہاں پر تمہیں جو مسائل درپیش ہوں گے 'ان کا فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضورؐ نے فرمایا : اگر تمہیں کتاب اللہ میں کسی مسئلے کے بارے میں صراحت کے ساتھ کوئی ہدایت نہ ملے تو کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ پھر میں سنّتِ رسول اللہؐ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ کا کوئی فیصلہ یا نظیر جو میرے علم میں ہو گی تو اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضورؐ نے سوال کیا کہ اگر تمہیں سنتِ رسول اللہؐ میں بھی کوئی بات واضح نہ ملے تو کیا کرو گے؟ اس پر انہوں نے عرض کیا : "ثم اجتھد رأیی" "پھر میں اپنی رائے قائم کرنے میں انتہائی مشقت جھیلوں گا"۔ یعنی کسی ایسے مسئلے میں جہاں کتاب اللہ میں بھی کوئی صریح راہنمائی نہ ہو اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے بھی واضح اور صریح رہنمائی نہ ملے 'اس میں شریعت کے منشا کے مطابق' روح شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اور شریعت کے مقاصد کو برقرار رکھتے ہوئے شریعت کے پورے نظام سے ہم آہنگی رکھنے والی رائے تک پہنچنے کی انتہائی کوشش کرنا "اجتہاد" ہے۔

<u>اجتہاد کے ضمن میں پانچ نقطہ ہائے نظر</u> : میں نے عرض کیا تھا کہ اجتہاد کے بارے میں اس وقت ہمارے ہاں پانچ مکاتب فکر موجود ہیں 'جن میں سے دو صریح گمراہی پر مشتمل ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا نقطہ نظر تو یہ ہے کہ قرآن مجید بھی کل کا کل ہمیشہ کے لئے واجب الاطاعت (binding) نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو راہنما اصول دیئے گئے ہیں وہ تو ابدی اور دائمی ہیں لیکن اس میں دیئے گئے معین احکام (Specifics) صرف اس خاص دور کے لئے تھے۔ نزول قرآن کے وقت جو ایک خاص معاشرہ اور ایک خاص قوم موجود تھی انہیں ان کے حالات سے مناسبت رکھنے والے معین احکام عطا کر دیئے گئے۔ ان کی حیثیت ابدی نہیں ہے۔ گویا ان کے نزدیک قرآن حکیم بھی جزوی طور پر واجب الاطاعت (Partially Binding) ہے جس سے صرف اصول اخذ کئے جائیں گے اور اس میں وارد شدہ صریح احکام کی پابندی ہمیشہ کے لئے لازم نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ

انتہاپسندانہ نقطہ نظر "ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا" کا مصداق ہے۔ یہ لوگ حقیقت سے بہت دور چلے گئے ہیں اور ضلالت و گمراہی میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔

ایک دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن تو پورے کا پورا دائمی طور پر واجب الاطاعت ہے، اس کے راہنما اصول بھی ابدی ہیں اور اس کے معین احکام بھی دائمی ہیں، لیکن اس کے علاوہ کوئی اور شے دائمی طور پر واجب الاطاعت (Eternally Binding) نہیں ہے۔ اس کی تفسیر و تعبیر کی ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ عقل و منطق اور عربی گرامر کی رو سے جو چاہے نتیجہ نکالے، سنتِ رسولؐ اس کے لئے دائمی تشریح کی حامل نہیں ہے۔ گویا سنتِ رسولؐ کی حیثیت دائمی اور مستقل نہیں ہے، بلکہ قرآن میں جہاں کہیں بھی "اَطِيعُوا الرَّسُول" کے الفاظ آتے ہیں وہاں اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی یہ حیثیت تھی کہ آپ امیر جماعت تھے یا صدر مملکت تھے یا غلام احمد پرویز صاحب کی وضع کردہ اصطلاح کے مطابق "مرکزِ ملت" تھے۔ یہ نقطہ نظر بھی بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس نقطہ نظر اور پہلے مکتب فکر کے نقطہ نظر میں اگرچہ باریک سا فرق موجود ہے لیکن نتیجے کے اعتبار سے یہ دونوں مسلک بلاشبہ ضلالت اور گمراہی ہیں۔ مؤخر الذکر گروہ اپنے آپ کو "اہل قرآن" کہتا ہے اور عام طور پر انہیں "منکرین سنت" کہا جاتا ہے، جبکہ مقدم الذکر گروہ کو اہلِ زیغ اور اہلِ ضلال ہی کہا جا سکتا ہے۔

تیسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ قرآن بھی کل کا کل (اصول اور تفصیلی احکام سمیت) ہمیشہ کے لئے واجب الاطاعت ہے —— سوائے اس کے کہ بعض احکام میں ناسخ و منسوخ کا مسئلہ پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ ایک حکم ابتداءً کسی اور شکل میں آتا ہے اور بعد میں اس کی شکل تبدیل ہو جاتی ہے —— اور سنتِ رسولؐ بھی قرآن ہی کی طرح مستقل اور دائمی طور پر واجب التعمیل ہے۔ یعنی امتِ مسلمہ کے لئے قرآن اور سنت دونوں ہمیشہ کے لئے حجت ہیں، دونوں Eternally Binding ہیں۔ اس نقطہ نظر کے حاملین "اہل سنت" کہلاتے ہیں۔ یہ بات آپ کو عجیب محسوس ہو گی کہ اس اعتبار سے اہل تشیع بھی "اہل سنت" ہیں کہ وہ بھی سنت رسولؐ کی دائمی حیثیت کے قائل ہیں۔ ائمہ اربعہ کے مقلدین اور اہل حدیث حضرات تو اہل سنت ہیں ہی۔

تاہم اہل تشیع کا معاملہ اس اعتبار سے مختلف ہے کہ وہ سنت اور حدیث کی source کو صرف حضرت علی' حضرت حسن اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہم) تک محدود سمجھتے ہیں۔ وہ صرف انہی روایات کو لائق قبول سمجھتے ہیں جو انہیں اس ذریعے سے حاصل ہوتی ہیں۔ باقی کسی حدیث کو وہ قابل قبول نہیں سمجھتے۔ دوسرے یہ کہ وہ خلافت راشدہ میں پہلی تین خلافتوں کو باطل سمجھتے ہیں لہٰذا خلفاء ثلاثہ کے کسی فیصلے کو واجب التعمیل نہیں سمجھتے اور ان کی پابندی کرنا لازم نہیں سمجھتے۔ چنانچہ یہاں ان کا راستہ ہم سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال نظری اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی "اہل سنت" ہیں۔

باقی دو مکاتب فکر میں سے "اہل حدیث" وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ دونوں مستقل اور دائمی طور پر واجب الاطاعت ہیں' لیکن خلفائے راشدین کے فیصلے اور ان کے دور میں ہونے والا اجماع ہمیشہ کے لئے واجب التعمیل (Eternally Binding) نہیں ہے۔ گویا جو رائے "اہل قرآن" کی سنت رسولؐ کے بارے میں ہے وہی رائے "اہل حدیث" کی خلفائے راشدین کے اجماع کے بارے میں ہے کہ ان کے فیصلے اپنے وقت کے لئے تھے۔ ان کے فیصلوں کی حیثیت انتظامی احکامات (Executive Orders) کی تھی' لیکن وہ کتاب قانون کا مستقل جزو نہیں بن سکتے۔ چنانچہ نماز تراویح کی تعدادِ رکعات اور "طلاقِ ثلاثہ" جیسے مسائل میں یہ حضرات خلیفہؓ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادی فیصلوں کے قائل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں ان کا موقف ائمہ اربعہ کے موقف کے برعکس سامنے آتا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ خلفاء راشدین کے زمانے میں چونکہ پوری امت ایک وحدت تھی' اس میں نہ تو ایک سے زائد حکومتیں تھیں اور نہ ہی فقہی مسالک اور فرقے موجود تھے' لہٰذا خلفاء راشدین کے اجتہادات کو "اجماع امت" کا درجہ حاصل تھا۔

اس ضمن میں چوتھا نقطہ نظر "اہل سنت والجماعہ" کا ہے جو کتاب اللہ کو بھی مکمل طور پر اور ہمیشہ کے لئے واجب الاطاعت مانتے ہیں' سنت رسولؐ کو بھی اور خلافت راشدہ کے دور میں ہونے والے اجماع کو بھی۔ ہمارے ہاں فرقہ وارانہ بحث و تمحیص کے اندر "اہل سنت والجماعہ" کی اصطلاح کو کچھ اور معنی پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے' جبکہ

درحقیقت اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے "الجماعت" کے فیصلے کو یعنی امت کے اجماع کو تسلیم کیا۔ چونکہ پوری امت نے حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو خلیفہ مانا تھا، لہٰذا ان خلفاء کے دور میں ہونے والے اجتہاد کو پوری امت کی تائید حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اہل سنت والجماعہ کے نزدیک قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کے علاوہ دور خلافت راشدہ کے اجتہادات یعنی "اجماع امت" کو قانون اسلامی کے تیسرے ماخذ (source) کی حیثیت حاصل ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ نظری طور پر اہل تشیع بھی اہل سنت ہیں، اس لئے کہ وہ بھی سنت رسول کو binding مانتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ سنت رسولؐ کی صرف ایک شاخ کو مانتے ہیں، لیکن وہ اس بناء پر اہل سنت سے کٹ جاتے ہیں کہ وہ "الجماعت" کے فیصلوں یعنی اجماع امت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ اہل حدیث حضرات کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ "طلاق ثلاثہ" جیسے مسائل میں اہل تشیع اور اہل حدیث کا موقف ایک جیسا ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں پانچواں مسلک ائمہ مجتہدین کا ہے، جنہوں نے قرآن حکیم، سنت رسولؐ اور اجماع امت کو اسلامی قانون کے مستقل مآخذ (sources) مان کر ان کی بنیاد پر قیاس کرتے ہوئے اپنے اجتہادات کئے۔ چنانچہ مختلف ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کی بنیاد پر مختلف فقہی مکاتب فکر بن گئے۔ امام ابوحنیفہؒ بہت بڑے مجتہد ہیں۔ انہوں نے اور ان کے شاگردوں نے جو اجتہادات کئے ان کی بنیاد پر مسلک حنفی وجود میں آگیا۔ اسی طرح امام مالک کے اپنے اجتہادات ہیں، بلکہ ان کی "موطا" اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جو اس اعتبار سے مرتب ہوئی ہے کہ وہ حدیث اور فقہ دونوں کی مشترک کتاب ہے۔ اس میں امام مالکؒ کے اپنے اجتہادات بھی شامل ہیں۔ امام شافعیؒ بھی بہت بڑے امام تھے۔ انہوں نے باقاعدہ اصول فقہ مرتب کئے اور "کتاب الاُم" جیسی بڑی عظیم اور ضخیم کتاب کی تدوین کی۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کا بھی فقہی میدان میں بہت بڑا حصہ ہے۔ ان چاروں ائمہ سے چار فقہی مسالک حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی وجود میں آگئے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت سے قیاس و استنباط کے لئے ان چاروں کے اپنے اپنے اصول ہیں۔

چاروں ائمہ "مجتہد مطلق" کہلاتے ہیں، لیکن ان کے پیروکاروں کے نزدیک اب اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اب جو اجتہاد ہو گا اس کی صورت "اجتہاد فی المذہب" کی ہو گی۔ یعنی احناف کے ہاں اجتہاد مذہب حنفی کے اصولوں کے مطابق اپنی فقہ کے دائرے کے اندر اندر اور شوافع کے ہاں مسلک شافعی کے اصولوں کے مطابق ان کے اپنے دائرے کے اندر اندر ہو گا۔ جو لوگ ان چاروں فقہی مسالک میں سے کسی ایک کے پابند ہو گئے وہ "مقلّدین" کہلاتے ہیں اور یہ ان لوگوں کو "غیر مقلّد" کہتے ہیں جو کسی فقہ کے پابند نہیں ہیں۔

اجتہاد کے لئے شرائطِ اہلیت : اس ضمن میں ایک شرائط تو وہ ہیں جو تمام علماء بیان کرتے ہیں اور وہ منطقی طور پر بالکل صحیح اور معقول ہیں۔ یعنی اسے عربی زبان کا گہرا علم ہو، اس نے قرآن مجید کا گہرا فہم حاصل کیا ہو، حدیث نبویؐ کا علم حاصل کیا ہو، اسے ائمہ مجتہدین کے اصولوں سے واقفیت اور ان کے اجتہادات اور مستدلات سے آگاہی ہو۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ان تمام چیزوں سے واقف ہو اسی کو کسی شے کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں گفتگو کرنے کی جرات کرنی چاہئے۔ چنانچہ اجتہاد واقعتاً بہت بڑی نازک ذمہ داری ہے۔

تحلیل و تحریم کا اختیار اصلاً تو صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اس کے بعد اس کے نمائندے کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے۔ آپؐ کے بعد خلفائے راشدین نے کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ سے استنباط کرتے ہوئے اجتہادات کئے اور چونکہ وہ حضورؐ سے قریب ترین زمانے کے لوگ تھے اور انہوں نے حضورؐ سے براہ راست تربیت حاصل کی تھی لہٰذا ان کے اجتہادات کی نوعیت بعد میں ہونے والے پوری امت کے اجتہادات سے مختلف تھی۔ خلفاء راشدین کے اجتہادات کے بعد ائمہ اربعہ کے اجتہادات معتبر (authentic) شمار ہوتے ہیں۔ ائمہ فقہاء کے بعد جو شخص بھی اجتہاد کی وادی میں قدم رکھے اس کے لئے علماء نے بہت سی شرائط عائد کی ہیں جن میں سے چند ایک کا میں نے تذکرہ کیا ہے۔ تاہم میرے نزدیک مجتہد کے لئے متذکرہ بالا شرائط کے علاوہ یہ شرط بھی ضروری ہے کہ اسے اپنے دور کے علوم کے مبادی کا پورا فہم بھی حاصل ہو، وہ

اپنے دور کے مسائل کو سمجھتا ہو۔ اسے معلوم ہو کہ آج کی اقتصادیات اور معاشیات کیا ہیں' آج کے اقتصادی اداروں کی کیا حیثیت ہے اور وہ کن اصولوں پر کام کر رہے ہیں' ان کا صغریٰ اور کبریٰ کیا ہے؟ اگر یہ تمام چیزیں معلوم نہیں ہیں تو آج کے دور کے لئے اجتہاد کیسے کیا جا سکتا ہے؟ لیکن یہ تمام چیزیں اصولی اور اخلاقی اہمیت کی حامل ہیں کہ جب تک یہ صلاحیت موجود نہ ہو کسی کو اجتہاد کے میدان میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے' جبکہ آپ قانوناً کسی بھی مسلمان کی زبان بند نہیں کر سکتے۔ وہ اگر کوئی رائے دینا چاہتا ہے تو آپ اسے اس سے روک نہیں سکتے۔

اجتہاد میں فیصلہ کن عامل : "قوتِ نافذہ"

اجتہاد کے ضمن میں اصل فیصلہ کن اہمیت اس بات کی ہے کہ کس کی رائے حکومتی سطح پر نافذ ہو گی۔ اجتہاد پر میری اس گفتگو کا یہ پانچواں نکتہ ہے۔ ایک ریاست میں اجتہاد کرنے والے تو بہت سے موجود ہوں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس کا اجتہاد قانون کا درجہ اختیار کر کے اس پوری ریاست میں نافذ ہو گا۔ ظاہر بات ہے کہ ایک ریاست میں دس اجتہاد تو نہیں چل سکتے۔ جہاں تک تو پرسنل لاء کا تعلق ہے وہ دس تو کیا ایک سو بھی چل سکتے ہیں' لیکن قانون ملکی (Public Law) تو مختلف نہیں ہو سکتے۔ پبلک لاء میں حدود و تعزیرات بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک حکومت کے اندر ایک ہی قانون چلے گا۔ لیکن اصل غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ قانون کس کی رائے کی بنیاد پر بنے گا۔ یعنی کس مجتہد کا اجتہاد کتاب قانون کا جزو بن کر نافذ العمل ہو گا۔ چنانچہ قانون سازی (Legislation) میں اصل اہمیت "قوتِ نافذہ" کی ہے۔

اجتہاد کا عمل : تاریخ کے تناظر میں

دورِ رسالت : اجتہاد کے حوالے سے ہم مختلف ادوار کا جائزہ لیں تو سب سے پہلا دور' جو ہمارا عہد زریں ہے' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ حضورؐ خود بھی اجتہاد فرماتے تھے اور جو بھی نئی صورت پیش آتی تھی اس میں اپنی رائے قائم فرماتے تھے۔ اسی لئے صحابہ کرامؓ بعض اوقات آپؐ سے پوچھ بھی لیتے تھے کہ حضورؐ یہ معاملہ جو

آپ نے کیا ہے آیا یہ وحی کا حکم ہے یا آپؐ نے اپنی ذاتی رائے سے کیا ہے؟ اگر تو وحی کا حکم ہے تو سرِ تسلیم خم ہے، ہم زبان بھی نہیں کھولیں گے، لیکن اگر وحی کا حکم نہیں ہے تو پھر ہمیں کچھ کہنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ پھر جس معاملے میں آپؐ فرماتے تھے کہ یہ وحی کا حکم نہیں ہے اور اس بارے میں تم لوگوں کی رائے کیا ہے؟ تو پھر وہ اپنی رائے دیتے تھے۔ حضورؐ بسا اوقات وہ رائے قبول کر لیتے تھے۔ تو یہ حضور ﷺ کا اجتہاد تھا۔ مثلاً غزوۂ بدر میں حضورؐ نے ایک مقام کو کیمپ لگانے کے لئے منتخب فرمایا۔ حضورؐ کو اس سے پہلے کسی جنگ کا تجربہ نہیں تھا لیکن اس غزوے میں شریک صحابہ کرامؓ میں سے بعض ایسے بھی تھے کہ جو ہمیشہ جنگوں میں شریک ہوتے رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضورؐ اگر آپ کا یہ فیصلہ وحی کی رو سے ہے تو پھر "سَمِعنا وَاَطعنا" اور "آمنّا وصدّقنا" لیکن اگر یہ آپؐ کا ذاتی فیصلہ ہے تو ہمیں کچھ عرض کرنے کی اجازت دیں۔ آپؐ نے ان کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا کہ جنگی حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا کیمپ یہاں کی بجائے وہاں ہو۔ حضورؐ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور کیمپ اس جگہ منتقل کر دیا گیا۔ تو اجتہاد اپنے زمانہ مبارک میں خود حضورؐ نے بھی کیا ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ آپؐ تو اللہ کے رسول تھے لہٰذا معصوم تھے۔ اگر بالفرض آپؐ کے اجتہاد میں کہیں غلطی کا امکان پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی آجاتی۔ چنانچہ آپؐ کا اجتہاد واجب الاطاعت اور واجب التعمیل ہے۔

<u>عہدِ خلافتِ راشدہ</u> : دورِ رسالت کے متصل بعد خلافت راشدہ کا دور ہے۔ خلفاء راشدین رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ آپؐ کے بہترین ساتھی تھے، جو ایک طویل عرصے تک آپؐ کے ساتھ جدوجہد میں شریک رہے اور قربانیاں دیتے رہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دین کا اصل فہم انہیں حاصل تھا لہٰذا ہر خلیفہ راشد مجتہد مطلق تھا۔ لیکن یہ نہ سمجھئے کہ ان کے اجتہاد سے اختلاف نہیں کیا گیا۔ ان کے دور میں ان کے اجتہاد سے اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن انہوں نے اس اختلاف کو افہام و تفہیم سے حل کیا ہے۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب بڑی بڑی فتوحات ہوئیں، ایران، عراق، شام اور مصر کے علاقے فتح ہو گئے تو ان زمینوں کی حیثیت کے بارے میں سوال اٹھ کھڑا ہوا۔ اگر انہیں

مال غنیمت قرار دیا جاتا تو ان کا پانچواں حصہ بیت المال کے لئے رکھنے کے بعد باقی تمام زمینیں ان چند ہزار مجاہدین میں تقسیم کرنی ہوتیں جن کے ہاتھوں اللہ نے یہ سارے ملک فتح کرا دیئے تھے۔ لہٰذا اگر ان میں یہ سارے ملک تقسیم کر دیئے گئے ہوتے تو جاگیرداری کا ایک بہت عظیم نظام قائم ہو جاتا۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر غور کیجئے کہ اس طرح ان تمام ملکوں کی ساری آبادی غلام قرار پاتی' چنانچہ عورتوں کو کنیز قرار دیا جاتا اور مرد غلام بن جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے پر گہرائی میں غور و فکر کیا اور اپنی اجتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ ان زمینوں پر مالِ غنیمت کا نہیں بلکہ مالِ فے کا اطلاق ہو گا۔ مال فے کل کا کل بیت المال کی ملکیت ہوتا ہے اور اس میں سے مجاہد کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ مال غنیمت کا حکم سورۃ الانفال میں ہے' جبکہ مال فے کا حکم سورۃ الحشر میں ہے۔ اس پر بعض صحابہؓ نے آپؓ کے اس اجتہاد سے اختلاف کیا اور آپؓ سے باقاعدہ جھگڑا کیا کہ آپ غلط کر رہے ہیں' آپ کو اس کا حق نہیں ہے' آپ کا یہ فیصلہ صحیح نہیں ہے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک دس رکنی کمیٹی بنائی جس میں پانچ صحابی اوس اور پانچ خزرج میں سے شامل کئے جو زمین کے بندوبست سے واقف تھے اور زمین کے نظام کو جانتے تھے۔ مہاجرین کو اس کمیٹی میں اس لئے شامل نہ کیا گیا کیونکہ وہ تو تجارت پیشہ لوگ تھے اور کاشت کاری وغیرہ کے معاملات سے ناواقف تھے۔ اس کمیٹی کے روبرو حضرت عمرؓ نے بھی اپنے دلائل پیش کئے اور آپؓ کے اجتہاد سے اختلاف کرنے والے صحابہؓ نے بھی دلائل پیش کئے۔ بالآخر اس کمیٹی نے حضرت عمرؓ کے موقف کو تسلیم کر لیا اور اپنا فیصلہ سنا دیا۔ چنانچہ اب اجماع ہو گیا کہ یہ ساری مفتوحہ زمینیں خراجی ہیں' یہ کسی کی ملکیت کے زمرے میں نہیں آتیں۔ یہ دورِ خلافت راشدہ کے اجتہاد کی ایک مثال تھی۔ اس دور میں قوت نافذہ خلیفہ کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت عمرؓ کے اجتہاد کو جب اجماع امت کا درجہ حاصل ہو گیا تو آپؓ نے اس کو نافذ فرما دیا۔

<u>بنو امیّہ اور بنو عباس کا دور</u> : خلافت راشدہ کے بعد دورِ بنو امیہ اور دورِ بنو عباس ہے۔ ظاہر ہے ان کے خلفاء کی وہ حیثیت نہیں ہے جو خلفائے راشدین کی ہے۔ پہلے اموی

خلیفہ حضرت امیر معاویہؓ تو صحابی ہیں لیکن ان کے بعد کوئی صحابی نہیں' تابعین ہیں۔ دور بنو عباس کے خلفاء تو تابعین سے بھی اگلے درجے میں چلے گئے۔ مزید یہ کہ حدود سلطنت بہت وسیع ہو گئیں۔ اب قانون سازی (Legislation) کا یہ تقاضا سامنے آیا کہ کوئی ایسا Common Law بننا چاہئے کہ تمام بلاد اسلامیہ کے اندر اس کے مطابق فیصلے ہوں۔ اگر مختلف شہروں میں لوگ اپنے اپنے اجتہادات سے فیصلے کرنے لگیں تو ایک ملک میں ہزاروں قانون ہو جائیں گے۔ چنانچہ اجتہاد کا اصل مسئلہ قانون سازی (Legislation) کا ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بہت اہم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں کو قاضی القضاۃ بنانے کی پیشکش کی گئی اور کہا گیا کہ اس طرح آپ کے اجتہادات پوری مملکت کے اندر قانون کے طور پر نافذ ہو جائیں گے' لیکن دونوں نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ ان دونوں حضرات کے اس اقدام کو حکومت کے ساتھ عدم تعاون پر محمول کر کے دونوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کو بھی شدید سختی جھیلنی پڑی اور امام مالکؒ کو بھی۔ امام مالکؒ کے ساتھ تو ایک اور مسئلہ "طلاق مکرہ" کا بھی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی شدید تذلیل اور توہین بھی کی گئی اور ان کے چہرے پر سیاہی مل کر انہیں اونٹ پر بٹھا کر بازاروں میں پھرایا گیا۔ ان کا یہ فتویٰ تھا کہ اگر کسی سے زبردستی طلاق دلوا دی جائے تو وہ طلاق نہیں ہوتی۔ اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ طلاق ہو جائے گی اور میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے کا قائل ہوں' میرے نزدیک امام مالکؒ کی رائے صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ فرض کیجئے کہ ایک شخص کو کسی نے دھمکی دی کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو طلاق نہ دی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ اس دباؤ کے تحت اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اب لوگوں کو تو معلوم نہیں کہ اس نے اس دھمکی کے تحت طلاق دی ہے۔ عدت ختم ہونے کے بعد اس کی بیوی اگر کسی اور شخص سے نکاح کر لیتی ہے تو اگر وہ طلاق صحیح نہیں ہوئی تو اب اس کا یہ دوسرا نکاح باطل اور حرام کاری کے مترادف قرار پائے گا۔ امام ابو حنیفہ کو فقہی شعور (Legal Sense) بہت گہرا عطا ہوا تھا۔ وہ ہر معاملے کے قانونی پہلو کو دیکھتے تھے۔ امام مالک کا فتویٰ اپنی جگہ

نیک نیتی پر مبنی تھا اور وہ اس پر جازم تھے۔ حکومت وقت ان کو اپنا فتویٰ واپس لینے پر اس لئے مجبور کر رہی تھی کہ اس فتوے کی زد بیعت خلافت پر پڑ رہی تھی۔ گویا جن لوگوں سے جبراً بیعت لی گئی ہے وہ بیعت ہی نہیں ہے۔ اگر مجبوری کی طلاق صحیح نہیں ہے تو مجبوری کی بیعت کیسے صحیح ہو جائے گی؟ چنانچہ خلافت بنو عباس کی طرف سے انہیں شدید سزا دی گئی۔ بہرحال یہ ایک علیحدہ دلچسپی کی بات تھی جو میں نے بیان کر دی۔

اصلاً میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ان دونوں ائمہ کرامؒ نے قاضی القضاۃ بننے سے انکار کیا۔ ان کا انکار اس دلیل کی بنیاد پر تھا کہ ہم بھی مجتہد ہیں اور دوسرے لوگ بھی مجتہد ہیں، ہم صرف اپنے اجتہادات کو پوری امت پر لاگو کر دیں یہ ہمیں گوارا نہیں ہے۔ یہ واقعتاً بہت بڑی بات ہے، بہت بڑا ایثار ہے۔ اس پر انہوں نے کوڑے بھی کھائے، جیل بھی گئے، لیکن یہ پیشکش قبول نہیں کی۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ نے وہ حیثیت قبول کر لی جو ان کے استاد نے قبول نہیں کی تھی۔ ان کے پاس اپنے دلائل ہوں گے اور انہوں نے امت کی مصلحت میں اسے درست سمجھا ہو گا۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ ہوتے یا قاضی ابو یوسف، یا کوئی اور امام ہوتے، ان کے اجتہاد کو نافذ کرنے کی قوت کس کے پاس تھی؟ قوت نافذہ تو ان میں سے کسی کے پاس نہیں تھی بلکہ وہ تو بنو عباس کے اس خلیفہ کے پاس تھی جو اس وقت تخت خلافت پر متمکن تھا۔ اب وہ جس کو پسند کر لے اس کے اجتہادات کو قانون کی حیثیت دے دے۔ چنانچہ Legislation میں اصل اہمیت "قوتِ نافذہ" کی ہے۔ صلاحیتِ اجتہاد اور شے ہے، "قوتِ نافذہ" اور شے ہے۔ بہتر سے بہتر اجتہاد کو اگر نافذ نہ کیا جا سکتا ہو تو وہ قانون کی حیثیت حاصل نہیں کر سکتا اور آج کل یہی تو ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے اوپر یہ دروازہ بند کر رکھا ہے اور فقہی مسائل پر بات کرتا ہوں نہ ان میں اپنا وقت صرف کرتا ہوں۔ جب یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے اجتہادات کو نافذ ہی نہیں ہونا تو اس Exercise in futility کا کیا فائدہ؟ اس کے بجائے یہی وقت قوم کو اس فیصلے تک پہنچانے میں صرف ہونا چاہئے کہ وہ اجتماعی طور پر یہ شعوری فیصلہ کرے کہ ہمیں مسلمان جینا ہے، مسلمان مرنا ہے اور یہاں اللہ اور اس کے رسول کا قانون ہی چلنے دینا ہے۔ قوم

کی طرف سے یہ پر زور مطالبہ ہو کہ دستور میں کتاب و سنت کی بلا استثناء مکمل بالادستی طے کی جائے۔ اگر یہ ہو جائے تو پھر فقہی مسائل پر بھی گفتگو کی جائے کہ کونسی فقہی رائے صحیح ہے' امام مالک کی رائے درست ہے یا امام ابو حنیفہ کی رائے؟

اورنگ زیب عالمگیرؒ کا دور: خلافتِ بنو امیہ و بنو عباس کے ایک ہزار سال بعد یعنی آج سے تین سو سال قبل ہندوستان میں شہنشاہ اورنگزیب عالمگیرؒ کی حکومت تھی' جو صرف زبانی کلامی نہیں بلکہ بڑے پختہ اور عامل مسلمان تھے۔ اب ان کو ضرورت پیش آئی کہ اس مملکت میں ایک پورا اسلامی قانون مرتب کر کے نافذ کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کچھ علماء کی کمیٹی بنائی' جو ظاہر ہے کہ ان کے منتخب (Selected) علماء تھے۔ اس کمیٹی نے بیٹھ کر ان سارے مسائل پر غور و فکر کیا جو نئے پیدا ہو چکے تھے اور جن کے بارے میں شریعت کا حکم تلاش کرنا مقصود تھا۔ ان علماء و فقہاء نے جو اجتہادات کئے انہیں عالمگیر نے قانون کا درجہ دے دیا۔ ان اجتہادات کے مجموعے کا نام "فتاویٰ عالمگیری" ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ عالمگیر کے فتاویٰ نہیں تھے' عالمگیر تو فقیہ' مفتی اور مجتہد نہیں تھے' وہ تو بادشاہ تھے۔ لیکن یہ "فتاویٰ عالمگیری" اس لئے کہلاتے ہیں کہ ان کو نافذ کرنے کی طاقت عالمگیر کے پاس تھی۔ (جاری ہے)

بقیہ : عرض احوال

اکثریت کی فکری و جذباتی ساخت' دونوں کے اعتبار سے یہ بات بلا خوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس ملک میں یہ تمام تقاضے صرف اور صرف دین و مذہب کے ذریعے اور اسلام کے حوالے اور ناتے سے پورے کئے جا سکتے ہیں' کیونکہ جیسا کہ ہم ناقابل تردید دلائل اور شواہد سے ثابت کر چکے ہیں علامہ اقبال مرحوم کے حسب ذیل اشعار خواہ اس وقت دنیا کی کسی دوسری مسلمان قوم پر پورے طور پر صادق نہ آتے ہوں' ملت اسلامیہ پاکستان کے ضمن میں صد فی صد درست اور کمال صداقت و حقانیت کے مظہر ہیں کہ ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں؟ — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی!

شہادت علی النّاس

رحمت اللہ بترؔ

امّت کے انفرادی و اجتماعی فرائض

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج کے آخر میں امّتِ مسلمہ کو پہلی بار بحیثیتِ امت مخاطب فرمایا ہے۔ اس خطاب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی وہ ذمہ داریاں بیان کردی ہیں جو انفرادی طور پر ان میں سے ہر فرد پر عائد ہوتی ہیں اور اسی طرح اجتماعی طور پر جو فریضہ بحیثیتِ امت مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اس کو بھی معیّن کردیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید ہر انسان سے انفرادی سطح پر "عبادتِ رب" کا مطالبہ کرتا ہے اور اس فریضے کی پیہم یاددہانی اور نفس کی تربیت کے لئے ارکانِ اسلام یعنی صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج کی تلقین فرماتا ہے۔ یہی حکیمانہ ترتیب یہاں بھی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (الحج : ۷۷)

"اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! رکوع کرو، سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

جان لیجئے کہ اس آیۂ مبارکہ کے نزول کے وقت پنج گانہ نماز فرض نہیں ہوئی تھی، اس لئے یہاں رکوع و سجود کی تاکید کردی گئی تاکہ اللہ کی یاد دل میں تازہ رہے۔ نماز کا مقصد یہی ہے کہ اللہ سے تعلق ٹوٹنے نہ پائے اور انسان پر نسیان یا غفلت طاری نہ ہو جائے۔ مسلمان اللہ کا بندہ ہے اور اس کا مالک وہی ہے جو سارے جہان کا مالک ہے، لہٰذا لازم ہے کہ وہ اللہ کی بندگی سے کوتاہی نہ کرے بلکہ واقعی بندہ (یعنی پابند) بن کر زندگی گزارے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "الدُّنیا سِجنُ المؤمنِ وجنّۃ الکافر" یعنی یہ دنیا

مومن کے لئے قید خانہ ہے' وہ پابند ہے' اپنی مرضی کا مالک نہیں ہے کہ جو جی چاہے کرے۔ اس کے برعکس کافر کا رویّہ ہے کہ وہ اِس دنیا میں من مانی زندگی گزارتا ہے' جبکہ بندۂ مومن کے لئے یہ جنت آخرت میں ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی تمام انبیاء و رسل اسی پیغام کے ساتھ مبعوث ہوتے رہے "یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ"۔ یعنی "اے میری قوم کے لوگو' اپنے رب کی بندگی اختیار کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے"۔ تمہاری فلاح و کامیابی کے لئے تمہارے مالک کی طرف سے یہی مطالبہ اور تقاضا ہے اور بحیثیت انسان ہر شخص کی فلاح بندگی رب کے ساتھ مشروط ہے۔

امّتِ مسلمہ کو چونکہ ایک خصوصی حیثیت عطا ہونے والی تھی' اس لئے فریضۂ عبادتِ رب کے ساتھ ہی ان پر ایک دوسرا فرض بھی عائد کر دیا گیا تاکہ انہیں اسی موقع پر اس فرض سے بھی آگاہی حاصل ہو جائے' اور وہ اس کو سامنے رکھ کر زندگی گزاریں۔ یہ فریضہ ہر مسلمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امّتی ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

﴿ وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ' هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ' مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ' هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا ' لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ' فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ' هُوَ مَوْلٰكُمْ ' فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○ ﴾

"اور تم جہاد کرو اللہ کے لئے جیسا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تمہیں (اس کام کے لئے) منتخب کر لیا ہے اور (دیکھو) دین کے بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی۔ یہ طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا۔ اسی (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا' پہلے سے بھی اور اس (قرآن) میں بھی۔ (تمہارا انتخاب اس لئے کیا جا رہا ہے) تاکہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں اور تم گواہ بن جاؤ تمام

انسانوں پر۔ پس نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ وہی تمہارا کارساز ہے۔ پس وہ کیا ہی اچھا کارساز اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔"

اس فرمانِ خداوندی میں امت کی ذمہ داری "شہادت علی النّاس" ٹھہرائی گئی ہے۔ اور یہ اصل میں کارِ رسالت کے تسلسل کا وہ مستقل ذریعہ ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہنا چاہئے، تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حق ادا ہوتا رہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ پر رسول ہونے کے ناطے عائد کیا اور جو آپ ؐ سے پہلے تمام رسولوں پر اپنی اپنی قوم اور زمانے کے لئے عائد رہا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فریضہ شہادت علی الناس پہلی مسلمان امتوں کے ذمے بھی تھا یا صرف موجودہ امّتِ مسلمہ ہی کو اس کا مکلّف ٹھہرایا جا رہا ہے؟ جان لیجئے کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے یہ ذمہ داری فرض کے درجے میں تو صرف انبیاء و رُسل ہی کے ذمے رہی ہے، البتہ ایمان واخلاق کا یہ تقاضا تھا کہ ایک مسلمان جس چیز کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اسے دوسروں کے لئے بھی پسند کرے اور دینی حمیت و غیرت کا بھی تقاضا تھا کہ اگر وہ کوئی برائی دیکھے تو اس کا تدارک کرنے کی کوشش کرے، لیکن یہ فریضہ بحیثیتِ امّت صرف موجودہ امت مسلمہ پر عائد کیا گیا ہے، جس کی وجہ نبی اکرم ﷺ پر اتمامِ نبوت اور آپ ؐ کی رسالت کا قیامت تک کے لئے دائمی ہونا ہے۔

فریضہ شہادت علی الناس کیسے ادا کرنا ہے؟ اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کی ایک مثال بھی قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔ اور وہ مثال ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی، جو اس اعتبار سے منفرد اور عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باقی تمام رسول کافر و مشرک قوموں کی طرف مبعوث فرمائے، لیکن آپ ؑ کو ایک مسلمان قوم (بنی اسرائیل) کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ ؑ نے اپنے ماننے والوں کو بھی اس کام میں شرکت کی دعوت دی اور کہا کہ "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ؟" حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بھی بنی اسرائیل کے پاس کتاب اور شریعت موجود تھی، لہٰذا ان کی طرف حضرت مسیح ؑ کی بعثت اور آپ ؑ کے طرزِ عمل میں ہمارے لئے مثال اور نمونہ موجود ہے۔ آنجناب ؑ نے بھی تجدیدِ دین ہی کا فریضہ ادا کیا اور آپ کے حواریوں نے بھی۔

امّتِ مسلمہ کی خصوصی حیثیت : "امّتِ مجتبیٰ"

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج کی آخری آیت میں اس امت کو تفویض کردہ ذمہ داری کے ضمن میں وہی لفظ استعمال کیا ہے جو اس نے اپنے نبی آخر الزمان ﷺ کی شانِ رسالت بیان کرنے کے لئے گزشتہ تمام کتابوں میں استعمال کیا تھا۔ یہ جان لیجئے کہ پہلی کتابوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصی شان بیان ہوئی ہے وہ رسول کی حیثیت سے ہے اور آپ کا نام بھی "احمدؐ" ہی آیا ہے جس کے ساتھ نسبت ہے "مجتبیٰ" کی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "احمدِ مجتبیٰ" ہیں اور آپ کی خاص شان "محمدؐ رسول اللہ" ہے، جبکہ حضرت آدمؑ "صفیّ اللہ" ہیں، حضرت موسیٰؑ "کلیم اللہ" ہیں اور حضرت عیسیٰؑ "رُوح اللہ" ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو اسماءِ گرامی کے حوالے سے آپؐ کی شان کے دو پہلو سامنے آتے ہیں، یعنی محمدِ مصطفیٰؐ اور احمدِ مجتبیٰؐ۔ آپ کی پہلی حیثیت اللہ تعالیٰ سے پیغام وصول کرنے کے اعتبار سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے بعض کا اسی کام کے لئے "اِصْطَفٰی" فرماتا رہا ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی : ﴿اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (آل عمران : ۳۳) "بیشک اللہ تعالیٰ نے پسند فرمالیا حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر"۔ آپؐ کی دوسری شان "اِجْتَبٰی" ہے جو آپ کے نامِ نامی احمدؐ کے حوالے سے ہے، یعنی آپؐ کو فریضہ رسالت کے لئے اللہ تعالیٰ نے منتخب کرلیا ہے۔ یہی لفظ "اِجْتَبٰی" ہے جو اس امت کے لئے قرآن مجید میں آیا ہے۔ ان دونوں الفاظ کے علیحدہ علیحدہ تعین اور ان کی اصل حیثیت واضح کرنے کے لئے انگریزی کے دو الفاظ بہت موزوں ہیں۔ اصطفٰی choice کو کہتے ہیں جبکہ اجتبٰی selection کو۔ پہلا ذاتی کمالات کی بنیاد پر ہوتا ہے اور دوسرا کام کی نوعیت کے لحاظ سے۔

فریضہ شہادت علی الناس کو قیامت تک کے لئے جاری رہنا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے امّتِ مسلمہ کو یہ خصوصی حیثیت دی اور مسلمانوں پر یہ فرض عائد کیا تاکہ رسالت کا

حق تمام زبانوں میں تا قیامِ قیامت ادا ہوتا رہے۔ اب یہ کام صرف ایمان و اخلاق کا تقاضا ہی نہیں ہے بلکہ اسے فرض کر دیا گیا ہے' اور اسی فرض کی انجام دہی کے لئے اللہ نے مسلمانوں کو منتخب (Select) کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہدایت پہلے کسی قوم کے لئے یا کسی خاص زمانے کے لئے نازل کیا کرتا تھا اب اسے "الھدیٰ" کی صورت میں مکمل کر دیا۔ یہ ہدایت ہے بھی "ھُدًی لِلنَّاسِ" یعنی تمام انسانوں کے لئے۔ مزید برآں اس پر مبنی دین کی بھی تکمیل کر دی اور پھر اسے امتِ مسلمہ کے سپرد کر دیا۔

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

(البقرہ : ۱۴۳)

"اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط (درمیانی امت) بنا دیا ہے تاکہ تم شہادت دو لوگوں پر اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ بن جائیں تم پر"۔

"وسط" کا مطلب یہ بھی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچتا تھا ایک رسول کے ذریعے ایک قوم کو' کیونکہ اللہ کا رسول ایک خاص قوم کے لئے مبعوث فرمایا جاتا تھا' لیکن اب چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انسانوں کے لئے ہے لہٰذا امت مسلمہ کو واسطہ بنا دیا گیا تاکہ یہ کام رہتی دنیا تک جاری رہے اور تمام اقوام عالم تک ہدایت پہنچ جائے۔

شہادت کہتے ہیں گواہی کو' اور گواہی اس کی معتبر ہوتی ہے جس میں گواہ کے اوصاف بھی پائے جائیں اور عملی زندگی میں بھی وہ اس گواہی کا حامل ہو' نہ کہ صرف زبانی اقرار کرنے والا۔ چنانچہ یہاں امتِ مسلمہ کو گواہی کے اوصاف سے آگاہ کیا گیا ہے کہ گواہ وہی معتبر ہوتا ہے جو اس گواہی کا قوام بھی ہو' یعنی عملی صورت میں بھی واقعتاً گواہ ہو' نہ کہ صرف زبانی جمع خرچ کرنے والا ہو۔ چنانچہ سورۃ النساء میں فرمایا گیا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ .. ﴾ (آیت ۱۳۵)

"اے ایمان والو اعدل پر قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو خواہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے یا قرابت داروں کے۔"

مراد یہ ہے کہ اگر خود ہی بے انصاف ہو گے' عادل نہ بنو گے تو گواہی کیا دو گے۔

پھر فرمایا سورۃ المائدہ میں :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ' وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ' اِعْدِلُوْا ' هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ..... ﴾ (آیت ۸)

"اے ایمان والو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو اور کسی خاص قوم کی عداوت تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو' عدل ہی کرو' وہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔"

اصل میں گواہی کا حق تب ہی ادا ہوتا ہے جب انسان جس چیز کی گواہی دے رہا ہو اس کا وہ خود مصداق ہو' ورنہ تو "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" والا معاملہ بن جاتا ہے' یعنی "کیوں کہتے ہو جس کو کرتے نہیں"۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ناراضگی کی ہے۔ اور یہی اس وقت معاملہ ہے امتِ مسلمہ کا کہ وہ لوگوں کو تو قرآن کی تعلیم اور دین اسلام کی دعوت دیتی ہے لیکن چونکہ خود اس کا مصداق نہیں ہے اس لئے لوگ بجائے دعوت قبول کرنے کے اس پر لعنت بھیجتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو دوسروں کو کہتے ہیں لیکن خود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

شہادت کس کی؟

ہمیں جاننا چاہئے کہ یہ فریضہ شہادت علی الناس کیا ہے جس کے لئے اس امت کو خیرِ امت قرار دیا گیا ہے اور اتنی فضیلت دی گئی ہے کہ پہلے انبیاء و رُسل بھی یہ خواہش کرتے رہے کہ وہ اس امت میں سے ہوں۔

سورۃ الحدید میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو کیا دے کر بھیجتا رہا ہے اور ان کی بعثت کی غرض و غایت کیا رہی ہے :

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ... ﴾ (آیت ۲۵)

"بیشک ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو بینات دے کر اور نازل کی ان کے ساتھ کتاب

اور میزان تاکہ لوگ قائم ہو جائیں عدل پر۔"

یہ دو چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ ہر رسول کو دے کر کر بھیجتے رہے ہیں۔ اور انہی دو چیزوں میں فریضۂ شہادت مطلوب ہے۔ انہی دو چیزوں کو نبی اکرم ﷺ کے لئے قرآن مجید میں تین مقامات پر بیان کیا گیا ہے تاکہ امت کو اچھی طرح یاد رہے۔ یہ الفاظ سورۃ التوبہ، سورۃ الفتح اور سورۃ الصف میں وارد ہوئے ہیں :

﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ.... ﴾

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ اسے غالب کردے کُل کے کُل دین پر (یا تمام ادیان پر)۔"

واضح رہے کہ یہاں کتاب کی جگہ الھدٰی آیا ہے اور میزان کی جگہ دین الحق۔ تینوں مقامات پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ میزان اور دین الحق کے بارے میں وضاحت فرمادی گئی ہے کہ انہیں اس لئے نازل کیا جا رہا ہے کہ عدل اجتماعی قائم ہو اور تمام نظام زندگی اس کے مطابق ہو (یا یہ تمام دوسرے ادیان پر غالب رہے) لیکن الہدیٰ کے بارے میں صراحت نہیں ہے کہ اس کو کس لئے نازل کیا گیا۔ شاید اس لئے کہ یہ تو ایسی چیز ہے جو بھلائے نہ بھولے، لیکن اگر غفلت کا امکان ہے تو اس میں کہ اس کی تعلیم کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنے کا معاملہ مشکل ہو گا اور شاید لوگ اس کو بھول جائیں اور صرف کتاب ہی کو پڑھتے پڑھاتے ہوئے سمجھ لیں کہ بس یہی مقصدِ بعثتِ رسول ؐ ہے حالانکہ کتنی صراحت سے بیان کردیا گیا تھا :

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا..... ﴾ (المائدہ : ۳)

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت کا تم پر اتمام کردیا اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کرلیا ہے۔"

لیکن امت نے "عبادت" کو "عبادات" میں منحصر کردیا اور شہادت علی الناس کو بس تبلیغ تک محدود کردیا۔ یَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ۔ اب الہدیٰ اور دین حق کی شہادت کا

تقاضا سمجھ لیجئے تاکہ معلوم ہو کہ یہ فریضہ کیا ہے اور ہم کیا ہیں؟

الھدٰی وہ کامل ترین ہدایت ہے جو اس دور سے لے کر رہتی دنیا تک انسانوں کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہ سکے کہ میں رہنمائی کہاں سے لوں' وہ ہدایت تو پوری نہیں ہے اور اگر کامل ہے تو مجھ تک پہنچی نہیں ہے۔ یہی اصل میں دلیل ہے ختم نبوت کی کہ اگر اللہ کی عطا کردہ ہدایت اس کتاب قرآن مجید' فرقان حمید کی شکل میں مکمل نہ ہوتی یا وہ محفوظ نہ رہی ہوتی تو اس صورت میں نبوت کے جاری رہنے کا جواز ہو سکتا تھا۔ چونکہ ہدایت مکمل اور محفوظ ہے لہٰذا کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ اصل کام تو اس کتاب کو اپنا امام بنانے اور اس کی ہدایت کو عملاً اختیار کرنے کا ہے۔ الہدیٰ یعنی قرآن حکیم کے حوالے سے ہمارا فرض یہ ہے کہ اسے تمام انسانوں تک پہنچا دیا جائے' یعنی حق تبلیغ ادا کیا جائے' یہ نہیں کہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے' جو چاہے آئے اور اس کا علم حاصل کرے' اس کی نعمت اور تذکیر سے فائدہ اٹھالے' بلکہ ہمیں حکم ہوا ہے کہ اسے لے کر پہنچو ہر ہر انسان تک اور اس کے پیغام کو اتنا عام کرو کہ کوئی بھی اس کی ہدایت سے ناواقف نہ رہے۔ یعنی تم کنواں نہ بنو کہ لوگ آئیں اور خود پانی حاصل کر لیں' بلکہ بادل بن کر ہر سو اور ہر جگہ برسو تاکہ جسے فائدہ اٹھانا ہو اور جس میں اس پانی کو جذب کر کے روئیدگی پیدا کرنے کی صلاحیت ہو وہ اس سے فیضیاب ہو جائے اور اپنے دل کو زندہ کر لے۔ جیسے آنحضور ﷺ سے فرمایا گیا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ... ﴾ (المائدہ : ٦٧)

"اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا..."

دوسرا حق اس کتاب کا یہ ہے کہ اس کی تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے کچھ لوگ اپنی زندگیاں وقف کر دیں تاکہ وہ اس کے علم کو تمام انسانوں تک ان کی ذہنی سطح کے مطابق پہنچائیں تاکہ اس کی حقانیت سب کے سامنے مبرہن ہو جائے۔ جیسے فرمایا :

﴿ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ.... ﴾ (النحل : ۱۲۵)

"اے پیغمبر' اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے (لوگوں کو) بلاؤ اور (اگر بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔"

لازم ہے کہ کچھ لوگ قرآن کی گہرائی میں اتریں اور اعلیٰ علمی سطح کے مطابق اس کی ہدایت کو عام کرنے کے لئے اپنی زندگیاں کھپائیں اور تعلیم و تعلّمِ قرآن اور دعوت الی القرآن کا حق ادا کریں۔

اس کا تیسرا حق یہ ہے کہ معاشرتی زندگی میں جن چیزوں کو رواج دینا مطلوب ہے اور جن چیزوں کی بیخ کنی کرنا ضروری ہے ان کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کیا جائے تاکہ یہ باتیں لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہے جس کے لئے تمام ذرائع ابلاغ استعمال کئے جائیں اور قرآن کی تعلیمات کا چرچا اس طور پر ہو کہ برائی پنپنے نہ پائے' حق کے لئے لوگوں میں چاہت برقرار رہے اور قرآن حکیم کی اقدار ہی معاشرتی زندگی میں لوگوں کی عزت و تکریم کا معیار بنی رہیں۔

شہادتِ عملی

اب آیئے شہادتِ عملی کی طرف' جس سے مراد یہ ہے کہ توحید صرف عقائد و رسومات و عبادات تک محدود نہ رہے بلکہ توحیدِ عملی کا حق بھی ادا ہو تاکہ لوگ دین اللہ کی حقانیت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرلیں اور تاکہ اس کا حق ہونا صرف باتوں میں نہ ہو بلکہ اسے عملاً قائم کرکے بھی دکھایا جائے۔ دوسرے الفاظ میں معاملہ صرف زبان سے اللہ اکبر کہنے تک نہ رہے بلکہ تکبیر کہنے والوں کی ذات خود بھی اللہ کی کبریائی کا ثبوت ہو۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ

﴿ شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ﴾ (آل عمران : ۱۸)

"اللہ خود گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اسی کی گواہی فرشتے بھی دیتے ہیں اور اہل علم بھی کہ وہ واقعی قَـائـمًـا بِالقسط ہے۔"

اللہ ہی نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور اس میں عدل و قسط کو قائم کیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ یہی عدل و قسط اس کی زمین پر وہ لوگ بھی قائم کریں جن کو اس نے خلافت ارضی دی ہے۔ تمام انبیاء و رسل کو میزان عطا کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ عدل و قسط کو قائم کریں اور خود بھی اس کی گواہی دیں۔ یعنی گواہی اپنی ذات میں بھی اور اپنی اجتماعیت میں بھی۔ اسی عدل و قسط کا ظہور ہوا تھا آنحضور ﷺ کے ذریعے جب یہ دین الحق کی صورت میں غالب ہوا، اور قرار پایا کہ مسلمان معاشرے میں عدل کو قائم کرنے کے ذمہ دار رہیں گے۔

کوئی انسان پیدائشی طور پر، اپنے قبیلے نسل یا ملک کی بنیاد پر بڑھیا اور گھٹیا نہیں ہے بلکہ فضیلت اور بڑائی اس کی ہے جو سب سے زیادہ دین کا تقاضا پورے کرنے والا ہے یعنی ایک زندگی میں اس کی نافرمانی سے بچنے والا ہو۔ تمام عصبیتیں جو جہالت کی پیداوار تھیں ان کو آنحضور ﷺ نے پاؤں کے نیچے کچل دیا اور فرمایا : لَا فَضلَ لِعَربِیٍّ علٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ علٰی عربِیٍّ وَلَا لِاَحمَرَ علٰی اَسوَدَ وَلَا لِاَسوَدَ علٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقوٰی۔ کُلُّکم بنو آدمَ وآدمُ مِن تُراب۔" یہ ہے اس نظام زندگی میں اللہ کی کبریائی کا ظہور جو صرف زبان سے پڑھ کر نہ سنایا گیا بلکہ جسے معاشرتی سطح پر نافذ بھی کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی ماننا پڑا کہ مساوات کے وعظ تو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بھی بہت کہے تھے لیکن اگر بالفعل کوئی عادلانہ معاشرہ پیدا کیا ہے تو صرف محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

اس دین کے غلبے اور اس کی تنفیذ کا معاشی پہلو یہ تھا تمام انسانوں کی بنیادی ضرورتوں کی ذمہ داری ریاست پر ہے۔ کوئی انسان وسائل کا مالک حقیقی نہیں ہے بلکہ جن کو جو کچھ عطا ہوا ہے وہ فضل خداوندی ہے اور ان کے پاس امانت ہے۔ اس کائنات کی تمام اشیاء کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ تمام مال و اسباب تمہیں صرف "مَتَاعُ الحَیٰوۃِ الدُّنیا" کے طور پر دیا گیا ہے تاکہ اسے برت سکو اور اسے اللہ کی عطا جان کر

اس میں سے ان لوگوں کا حق نکالو جو کسی وجہ سے معاشی میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اصل میں تو وراثت ہیں اللہ کی' اور وہ ہدایت فرماتا ہے کہ ان کو صرف برت لو' ساتھ نہیں لے جاسکتے کیونکہ تم مالک نہیں ہو۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں بیان کر دیا ہے تاکہ انسان جان لے کہ اس دنیا اور اس کے وسائل کی اصل حیثیت کیا ہے :

﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت : ۶۴)

"نہیں ہے یہ دنیا کی زندگی مگر تماشہ اور کھیل اور آخرت کا گھر ہے زندگی کا گھر' کاش یہ جان لیں۔"

مثلاً کسی ڈرامے میں کسی بادشاہ کو اس کا پارٹ ادا کرنے کے لئے جو تاج اور شاہانہ لباس دیا جاتا ہے اور دربار سجانے کے لئے جو لوازمات مہیا کئے جاتے ہیں وہ ڈرامے کے ڈائریکٹر کی طرف سے ہوتے ہیں اور اس "بادشاہ" کو ان کے استعمال کا اختیار اتنی ہی دیر تک ہوتا ہے جتنی دیر وہ بادشاہ کا پارٹ ادا کرتا ہے۔ وگرنہ وہ اشیاء اس کی ملکیت نہیں ہوتیں اور اسی لئے وہ اپنا کردار ادا کرنے کے بعد ان چیزوں کو وہیں چھوڑ کر جاتا ہے۔ یہی معاملہ اس دنیا کے وسائل کا بھی ہے کہ یہ سب وسائل اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اور انسانوں کو صرف برتنے کے لئے دیئے ہیں۔ اس لئے وہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت خالی ہاتھ جاتے ہیں اور سب کچھ یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور اصل میں وارثِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ یہاں وہی شخص کامیاب ہے کہ جو اس ہدایت کار کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق ان وسائل کو حاصل کرتا ہے اور اس کی ہدایت کے مطابق ان کو استعمال کرتا ہے اور یہ ہدایت اللہ کی کتاب میں ہر شخص کے لئے موجود ہے خواہ وہ کسی حیثیت میں زندگی کے کھیل میں شامل ہو۔ دین اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ حکمرانی اللہ کی نافذ ہو اور انسان صرف خلیفہ کی حیثیت میں زندگی گزارے اور ہر اس حیثیت میں جس میں اسے خلافت دی گئی ہو حقِ خلافت ادا کرے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھنا ہوگا تاکہ دین اللہ اور بندگی کے تقاضے واضح ہوں۔ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

((بُنِیَ الاِسلامُ علٰی خمسٍ' شھادۃِ اَن لا الٰہ الا اللّٰہُ وانَّ محمّدًا عبدہٗ ورَسولہ' واقامِ الصّلٰوۃِ وایتاءِ الزکٰوۃِ وصَومِ رمَضان وحَجِّ البَیتِ مَنِ اسْتَطاعَ اِلَیہ سَبیلًا))

گویا اسلام کی بنیاد ایمان ہے جو تصدیق بالقلب ہے اور اقرار باللسان پر مشتمل ہے۔ اصل بنیاد زمین کے اندر رہے لیکن اس کا ایک حصہ ظاہر ہے جسے پلنتھ (Plinth) یا ڈیمپ کہتے ہیں۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج اس عمارت کے ستون ہیں' جب کہ اس کی چھت سے مراد عدل اجتماعی ہے۔ یعنی زندگی کے اجتماعی معاملات میں مساوات انسانی' امانت و اخوت' حریت انسانی جیسی اقدار جن کا ظہور ہو گا اس نظام عدل و قسط کی صورت میں جسے خلافت کہا گیا ہے اور جو ظہور پذیر ہو گی حاکمیت خداوندی کی پوری تنفیذ کی صورت میں۔ گویا اللہ کی کبریائی کا مطلب یہ ہے کہ اس کا قانون تمام نظام زندگی پر غالب ہو اور اس کا کلمہ سربلند ہو اور باقی تمام نظام ہائے زندگی مغلوب ہو کر رہیں۔ اِس وقت مسلمانوں کا معاملہ یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر مسلمان تو کلمہ شہادت پڑھ کر ہی پورے دین کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں' گویا مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گئے' کلمہ سن لیا اور کبھی پڑھ بھی لیا۔ باقی نہ ستون ہیں اور نہ چھت ہے لیکن سمجھتے ہیں کہ بلڈنگ مکمل ہے اور وہ دین اسلام کے حامل ہیں۔ بعض نے بنیاد بھر کر صرف ستون بنا لئے ہیں اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ عمارت مکمل ہو گئی ہے حالانکہ اللہ کی حاکمیت کی چھت موجود ہی نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چھت تو ضروری ہے اور اصل عمارت یہی ہے لیکن کوئی اور بنا دے۔ اور بعض کہتے ہیں چھت تو ضروری ہے لیکن اس کے لئے ستونوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ چھت پہلے ڈال دی جائے بعد میں اپنی مرضی کے ستون بنا لیں گے۔ یہ ہے وہ تفریق جو اس دین اللہ کی عمارت کے بارے میں امتِ مسلمہ نے کر رکھی ہے اور اپنے اپنے حصہ پر اکتفا کر کے خوش ہیں کہ دین ہمارے پاس ہے' حالانکہ اصل صورتحال یہ ہے کہ اس کا ایک حصہ بنا کر بیٹھے ہیں یا بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور بالفعل کافروں کے دین کے مطابق غیر اللہ یعنی طاغوت کی حکمرانی میں زندگی گزار رہے ہیں اور پھر بھی دین اسلام کے دعویدار ہیں' اور جن کافروں

اور مشرکوں کو دین اسلام کی دعوت دے رہے ہیں ان ہی کے نظام زندگی کو خود اپنے لئے اختیار کر رکھا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے معاشرے کے کچھ جدید دانشوروں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ دین اللہ کے غلبے کا معاملہ اول تو تھا نہیں اور اگر تھا تو صرف عربوں کے بارے میں تھا۔ باقی دنیا کے لئے تو یہ دین آیا ہی نہیں' اور اگر آیا بھی ہے تو اسے غالب کرنا ان کی ذمہ داری نہیں ہے جو اس دین کے دعویدار ہیں' بلکہ وہ طاغوت کی حکمرانی میں زندگی گزارتے ہوئے اور اسلام کی حقانیت کے دعوے کرتے ہوئے دین کے حق کی ادائیگی کی سند حاصل کرلیں گے! ایں چہ بوالعجبی است؟

اگر وہ کبھی سنجیدگی سے اس آیت کریمہ پر غور کرتے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کو واضح کرتی ہے' اور اس کے نزول کے مواقع کو سامنے رکھ کر اس کے سیاق و سباق پر غور کرتے تو بات سمجھنے میں کبھی رکاوٹ نہ رہتی۔ دیکھا جائے تو اصل معاملہ تکبرِ نفس کا ہے جو بیّنات کے بعد بھی حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے۔

پہلی بار یہ آیت سورۃ الصّف میں جنگِ احد کے بعد نازل ہوئی۔ یہ موقع تھا کہ جب مسلمانوں پر بہت مایوسی طاری تھی اور شکست نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ ادھر یہود مدینہ شیر ہو گئے تھے اور اسلام کے خلاف مشرکین مکہ سے مل کر چالیں چلنے کے لئے سرگرم عمل تھے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو ہمیں معلوم ہے یہ کافر و مشرک کیا کر رہے ہیں' لیکن جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ دین الحق تمام نظام زندگی پر غالب ہو۔ تمہیں وہ تجارت اختیار کرنا ہے جو تمہیں دنیا کی پسندیدہ فتح بھی دے گی اور اسی کے لئے جان و مال کھپانے پر آخرت میں فوز العظیم بھی ملے گی۔ دیکھو یہی معاملہ مسیحؑ ابن مریم کے حواریوں کے ساتھ ہوا ہے کہ انہوں نے صبر و ثبات اختیار کیا تو اللہ نے انہیں غلبہ عطا کیا۔ لہٰذا تم بھی ہمارے اور ہمارے نبیؐ کے انصار بن جاؤ۔

دوسری دفعہ بھی ایسی ہی کیفیت طاری ہوئی تھی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی سورۃ الفتح میں اسی آیہ مبارکہ کو نازل کر کے پھر یاددہانی کروادی کہ تم جلد بازی نہ کرو۔ یہ کام تو ہو کر رہنا ہے اور اللہ کا دین غالب ہو گا۔ بس تم ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بنو اور ان کے اوصاف اختیار کرو۔

تیسری بار یہ آیت عرب پر دین اللہ کے غلبہ کے بعد سورۃ التوبہ میں نازل ہوئی کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بس ہمارا کام مکمل ہو گیا بلکہ یہ دین تو پوری دنیا پر غلبہ کے لئے عطا کیا گیا ہے' اور یہود و نصاریٰ اور باقی تمام اقوام اس دین کے تابع ہو کر رہیں گے اور جزیہ دیں گے۔ اور اللہ کے دین کو کل روئے ارضی پر غالب کرنے کی جدوجہد تم پر لازم ہے کیونکہ ہم نے یہ دین تمام انسانیت کے لئے نازل کیا ہے۔ دیگر ادیان کے لئے اسلام کے تابع ہو کر رہنے کی گنجائش کا ذکر کیا گیا ہے' کیونکہ پہلے دو مرحلے تو مشرکین عرب کے لئے تھے جن کو یہ گنجائش حاصل نہ تھی۔ یہ تو اب باقی اقوام عالم کے لئے ہے جو اپنے ادیان پر باقی رہ سکتی ہیں لیکن ان کو مغلوب ہو کر رہنا ہو گا۔

حرفِ آخر

اس سیاق و سباق کو سامنے رکھ کر اگر آیت پر غور کیا جائے تو یہ امر سامنے آجاتا ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کے لئے عطا کیا ہے اور اس کے غلبہ کی صورت تب ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے گی جب یہ تمام زمین پر نافذ ہو خواہ کسی گھر والے کی عزت سے یا ذلت سے۔ اور تہنیت ہے ان کے لئے جو اس میں وہ حق ادا کریں جو سورۃ الحج کی مذکورہ بالا آیت کے شروع میں فرمایا گیا: "وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" ـــــ اب شاید سمجھ میں آجائے یہ حق جہاد جس کے یہ مراحل ہیں کہ پہلے اپنے نفس اور معاشرے میں الھدیٰ (قرآن حکیم) کے ذریعے آبیاری کرو اور مجاہدہ کرو۔ پھر باطل ادیان سے ٹکر لینے کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر سمع و طاعت کے خوگر بنو اور جان وہاں کھپا دو تاکہ پوری زندگی پر اللہ کا دین غالب ہو جائے۔ پھر یہی نظام باقی تمام ادیان پر غالب کر دو تاکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت پورا ہو سکے۔ اس کے لئے ضرورت ہے

(باقی صفحہ ۴۰ پر)

پاکستان میں بلاسود معیشت کے مسائل اور ان کا حل

جسٹس (ر) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

قرآن مجید میں بڑی صراحت اور شدت کے ساتھ ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس بات پر جملہ مکاتبِ فکر کے علماء کا اتفاق ہے کہ ربا کی اصطلاح موجودہ سود کی تمام شکلوں اور نوعیتوں پر حاوی ہے۔

صرفی قرضوں (Consumption Loans) پر سود کی ممانعت کا بڑا سبب جذبہ خیر خواہی ہے کہ ایسے قرضے زیادہ تر پریشان حال لوگ لیتے ہیں۔ البتہ پیداواری قرضوں پر سود کی حرمت کی عقلی توجیہ کی بنیاد اسلام کے معاشی و معاشرتی فلسفہ پر ہے جس میں معاشرتی انصاف کا قیام سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سرمایہ و محنت کے درمیان تعاون، جس کا اسلام قائل ہے، یہ ہے کہ دونوں نفع و نقصان میں شریک ہوں، جو نفع و نقصان میں شرکت کے نظام کے تحت ہی ممکن ہے۔

نظام اسلامی کے قیام میں سود کا خاتمہ انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے، اس لئے اس کے ہر دستور میں سود کے خاتمہ کو مملکت کی رہنما پالیسی کا ایک اہم جزو قرار دیا گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ملکی معیشت سے سودی نظام کے خاتمہ کے لئے ۱۹۷۷ء تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا بلکہ ملک پر سودی قرضوں کا بوجھ ہر سال بڑھتا گیا۔ "عیبِ اُو جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو" کے مصداق ہمیں کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم و مغفور نے اسلامی نظریاتی کونسل کو خاص طور پر خاتمۂ سود کے بارے میں ایک جامع رپورٹ مرتب کرنے کا فریضہ سونپا۔ کونسل نے اپنی تشکیل جدید کے فوری بعد ماہرین معاشیات و بینکاری کا ۱۵ رکنی ایک پینل مقرر کیا، جسے خاتمہ سود کے بعض فنی پہلوؤں کا جائزہ لینے اور ایسے ذرائع اور تدابیر تجویز کرنے کی ذمہ

داری سونپی جن پر عمل کر کے نظام بینکاری کو شرعی تقاضوں کے مطابق بنایا جا سکے۔ ان ماہرینِ معیشت اور بینکاروں کی مدد سے کونسل نے نومبر ۱۹۷۸ء میں عبوری رپورٹ اور جون ۱۹۸۰ء میں حتمی رپورٹ منظور کی۔ اور ۲۵ جون ۱۹۸۰ء کو یہ رپورٹ بزبانِ انگریزی راقم الحروف نے بحیثیت چیئرمین کونسل صدر جنرل ضیاء الحق کی خدمت میں بہ نفس نفیس پیش کی۔

اس رپورٹ کی صورت میں بنیادی کام ہو چکا ہے۔ حکومت کو اگلے قدم کے طور پر مختلف ورکنگ گروپس قائم کرنا تھے جو بلاسودی معیشت کی تفاصیل و جزئیات مرتب کریں تاکہ نئے نظام کے بنیادی تقاضے کماحقہٗ پورے ہو سکیں۔ ۱۹۸۴ء تک صدر ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں بلاسود بینکاری کا تھوڑا بہت ذکر اخباروں میں آتا رہا، لیکن ۱۹۸۵ء سے منتخب جونیجو حکومت کے آنے کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔ تا آنکہ نومبر ۱۹۹۱ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے خلاف فیصلہ نے لوگوں کو بھولا ہوا سبق پھر یاد دلایا، مگر حکومتِ وقت نے خاموشی سے اس کے خلاف اپیل دائر کر دی اور سارے معاملے کو سپریم کورٹ کے سرد خانے میں ڈال دیا۔

لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ سود کا خاتمہ اسلام کے مجموعی نظامِ معیشت کا صرف ایک حصہ ہے اور محض اس ایک اقدام سے پورے معاشی نظام کو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق نہیں ڈھالا جا سکتا، تاوقتیکہ تعمیرِ اخلاق اور زندگی کی جھوٹی اقدار کے خاتمہ کے لئے اصلاحی اقدامات نہ کئے جائیں۔

چونکہ اب فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے بعد ملک میں بلاسود بینکاری کے لئے فضا ہموار ہو چکی ہے اس لئے ان اصلاحی اخلاقی اقدامات کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس مقصد کے لئے ذرائع ابلاغ کو حرکت میں لانا ضروری ہے، خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا کو، تاکہ لوگوں کو بلاسودی نظام کی تفصیلات اور تقاضوں سے باخبر کیا جائے اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ خوش دلی کے ساتھ نئے چیلنج کو قبول کریں اور اسلامی نظام کی کامیابی کے لئے مثبت جذبہ سے کام لیں۔

اسلامی نظام معیشت میں سود کا مثالی متبادل حلِ نفع و نقصان میں شراکت یا قرضِ

حسنہ کی صورت میں (اصل زر پر کوئی اضافہ یا زیادتی وصول کئے بغیر) رقم کی فراہمی ہے۔ اگرچہ کونسل کی سفارشات بڑی حد تک نفع و نقصان میں شرکت سے متعلق ہیں تاہم بعض دوسرے طریقوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

نئے نظام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ حکومت ملک میں ٹیکس کے مروجہ نظام خصوصاً انکم ٹیکس کا گہری نظر سے تنقیدی جائزہ لے اور اس کی تشخیص اور وصولی کے طریق کار کو آسان بنائے تاکہ نفع و نقصان میں شراکت کے عملی اطلاق میں معاشرہ کے موجودہ اخلاقی معیار کی بدولت پیش آنے والی مشکلات پر قابو پایا جاسکے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان دیگر متبادل طریقوں کی حیثیت اسلام کے معاشی نقطہ نظر سے دوسرے بہتر حل سے زیادہ نہیں۔ اگرچہ متبادل طریقے اپنی موجودہ شکل میں سود کے عنصر سے پاک ہیں' تاہم یہ خطرہ موجود ہے کہ مبادا انہیں سودی نظام میں اس سے وابستہ خرابیوں کے از سرِنو رواج کے لئے چور دروازہ کے طور پر استعمال کیا جائے' لہٰذا ان کا استعمال ناگزیر حد تک کم سے کم کیا جانا چاہئے' نیز سرمایہ کاری کے عام طریقوں کے طور پر ان کے استعمال کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

اس کے ساتھ ہی معاشرہ میں دیانت داری کے معیار کو بہتر بنانے اور ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے کوششوں کو تیز تر کیا جانا چاہئے' کیونکہ ناخواندگی اور بددیانتی دونوں بلاسودی معیشت کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

اسلامی بنیادوں پر نظام بینکاری کی تشکیل کے لئے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اس وقت رائج ایسے تمام قوانین میں تبدیلیاں کی جائیں جن کا بینکوں کی کارگزاری پر براہ راست اثر پڑتا ہے تاکہ وہ قوانین شریعت کے مطابق ہو جائیں۔ مثلاً قانون شراکت (Partnership Act)' قانون بیع مال (Sale of Goods Act)' قانون انتقال جائیداد (Transfer of Property Act) وغیرہ۔

بحالاتِ موجودہ نفع و نقصان میں شراکت کے نظام کی کامیابی کے بارے میں عام طور پر شبہات کا جو اظہار کیا جاتا ہے' اس کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ اکثر کاروباری فرمیں اپنے حسابات یا تو بالکل نہیں رکھتیں یا غلط گوشوارے مرتب کرتی ہیں یا مختلف اغراض کے

لئے دوہرے تہرے حسابات تیار کرتی ہیں۔ اس صورتحال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ملک کے ممتاز ترین ماہرین معیشت اور علماء شریعت نے باہمی مشاورت سے حسب ذیل متبادلات تجویز کئے ہیں جو سودی نظام کا بدل ہو سکیں اور شریعت سے مطابقت بھی رکھتے ہوں۔

متبادل طریقے حسب ذیل ہیں :

الف) حق الخدمت (سروس چارج)

اگر سود کی جگہ حق الخدمت رائج کر دیا جائے تو بینک اور دیگر مالیاتی ادارے اصل زر مع حق الخدمت کی واپسی کی مکمل ضمانت کے ساتھ قرضے فراہم کریں گے۔ یہ حق الخدمت اس قدر ہو گا جس سے مالیاتی اداروں کے انتظامی مصارف پورے ہو سکیں۔

ب) پٹہ داری (Leasing)

طویل المیعاد سرمایہ کاری کے لئے پٹہ داری ایک نیا طریقہ ہے جو صنعتی ممالک میں روز بروز مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ اس طریقے میں پٹہ دہندہ اثاثے کی ملکیت اپنے پاس رکھتا ہے اور پٹہ گیرندہ ایک مقررہ مدت کے دوران طے شدہ کرایہ کے عوض اثاثہ پر قبضہ رکھتا اور اسے استعمال کرتا ہے۔ اس طریقے کے استعمال سے بینک اور دیگر مالیاتی ادارے براہ راست اپنے پٹے پر دینے والے ذیلی اداروں کی معرفت اور فرموں کے حسابات کے پڑتال کئے بغیر درمیانی اور طویل المیعاد سرمایہ کاری فراہم کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

ج) سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری (Investment by Auction)

اس طریق کار کے تحت تجارتی بینک ایک مشترکہ ادارہ قائم کر سکیں گے جو طویل المیعاد سرمایہ کاری کے اداروں کے تعاون سے مکمل تفاصیل کے ساتھ صنعتی منصوبے مرتب کرے گا۔ بعد ازاں اس یقین دہانی کے ساتھ ان منصوبوں کا اعلان کرے گا کہ جو کوئی اس میں دلچسپی رکھتا ہو' اسے ضرورت کے مطابق مخصوص ساخت کا پلانٹ اور مشینری بھی مہیا کی جائے گی اور متوقع سرمایہ کاروں سے مشینری کی خرید کے لئے بولی طلب

کرے گا۔ منصوبہ ایسی پارٹی کو فروخت کر دیا جائے گا جس نے سب سے زیادہ بولی دی ہو' بشرطیکہ اس کی مالی حیثیت مضبوط ہو' ورنہ دوسرے نمبر پر جس کی بولی سب سے زیادہ ہو' اسے دے دیا جائے گا' یہ بات ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ وہ خوش اسلوبی سے منصوبے کو پورا کرنے کا اہل ہو۔ اقتصادی نقطہ نظر سے اس نظام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سرمایہ کار کی ادا کردہ قیمت سے منصوبے کی نفع بخشی باآسانی متعین ہو سکے گی جو وسائل کی کامیاب تعیین کے لئے بہت ضروری ہے۔

د) بیع مؤجّل (Deferred Sale)

یہ بیع کی وہ قسم ہے جس میں فروخت کردہ مال کی قیمت بعد کی کسی تاریخ کو یک مشت یا اقساط میں قابل ادا ہوتی ہے۔ یہ طریق کار صنعت و زراعت کی ضروریات کے لئے سرمایہ بہم پہنچانے نیز گھریلو اور برآمدی تجارت کے لئے سرمایہ کاری کے سلسلہ میں بڑا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس طریق کار کو فقہی اعتبار سے جائز سمجھا جاتا ہے' تاہم اسے وسیع پیمانے پر یا بغیر امتیاز کے استعمال کرنا فائدہ مند نہ ہو گا کیونکہ اس سے سودی لین دین کے لئے چور دروازہ کھل جانے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اس طریق کار کے استعمال کو محض ناگزیر صورتوں میں محدود کرنے کے لئے تحفظات تلاش کرنے ہوں گے۔

ہ) ملکیّتی کرایہ داری (Hire-purchase)

اس طریق کار کے تحت بینک مشینری اور ساز و سامان نیز اشیائے ضرورت کی خرید کے لئے مشترکہ ملکیت کے نظام کے تحت جو ضمانت یا کفالت کی فراہمی کے تابع ہو گا' سرمایہ فراہم کریں گے۔ وہ اصل زر کے علاوہ ان اشیاء کی نقد کرایہ دارانہ قیمت میں سے مجموعی سرمایہ کاری میں اپنے واجب الادا حصہ کی نسبت سے اپنا حصہ وصول کر سکیں گے۔

و) عمومی شرح منافع پر سرمایہ کاری

اس نظام میں ایک خصوصی سرکاری ایجنسی قائم کی جائے گی جو یہ طے کرے گی کہ کسی صنعت یا کاروبار میں عام طور سے کتنا نفع واقع ہوتا ہے۔ بینک کاروباری حضرات کو

سرمایہ فراہم کریں گے اور کاروباری لوگ یہ یقین دہانی کرائیں گے کہ وہ کم از کم اتنی شرح سے بینک کو نفع ادا کریں گے۔ اگر منافع کی اصل شرح مقرر کردہ عمومی شرح منافع سے بڑھ جائے تو کاروباری لوگ رضاکارانہ طور پر نفع کا فرق سرمایہ فراہم کرنے والے ادارہ کو ادا کریں گے۔ لیکن اگر شرح منافع گر جائے یا نقصان واقع ہو جائے تو کاروبار کرنے والے کو مخصوص سرکاری ایجنسی کے اطمینان کے لئے اس کا ثبوت پیش کرنا ہو گا تاکہ وہ ادارہ منافع کی کم شرح قبول کر لے یا نقصان میں شریک ہو جائے۔ تاہم اس غالب امکان کے پیش نظر کہ اس طریق کار کے عام استعمال نے دوبارہ سودی کاروبار شروع ہو جائے گا' اسے انتہائی محدود پیمانے اور ناگزیر ضرورت کے تحت بروئے کار لانا چاہئے۔

ز) قرض بعوض قرض

اس طریقے کے تحت بینک اپنے کسی گاہک کی جمع کروائی ہوئی غیر سودی امانت کی بنیاد پر اس گاہک کو سود سے پاک قرضہ' امانت کی رقم سے زیادہ مقدار میں اتنی مدت کے لئے دے سکیں گے کہ امانت اور قرض دونوں کے تعلق میں رقم کی یافت اور اس مدت کی یافت' جس کے لئے رقم دی گئی' برابر ہو جائے۔ تاہم اس طریقے کو سودی نظام کے مستقل متبادل کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہو گا۔ چھوٹے کاروباری حضرات کو ذاتی قرضے دینے کے لئے بینک مذکورہ بالا شرائط کے بجائے' اس چیز کو بطور اصول اپنا سکتے ہیں کہ وہ ذاتی اور غیر پیداواری قرضے صرف ان اشخاص کو فراہم کریں جو پہلے سے بینک میں کھاتہ دار ہوں۔ واپسی کا گوشوارہ اور قرض کی رقم کا گوشوارہ مرتب کرتے وقت بینک قرض کے لئے درخواست دہندہ کی کھاتہ میں موجود رقم نیز اس مدت کو مد نظر رکھے گا جس کے دوران اس کی رقم بینک میں موجود رہی۔

ح) خصوصی قرضے

اس سہولت کے تحت بینک اور مالیاتی ادارے ایسی صورتوں میں بلا سود قرضے دے سکیں گے جن میں نہ تو نفع و نقصان میں شراکت' نہ ہی کوئی دوسرا متبادل طریقہ قابل عمل ہو' بشرطیکہ یہ قرضے عام معاشرتی فلاح و بہبود کے مقاصد یا منصوبوں کے لئے دیئے گئے

ہوں۔ تاہم مالیاتی اداروں کی نفع آوری پر ایسے قرضوں کے اثرات کو کم سے کم تر کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے محدود اور ناگزیر صورتوں میں استعمال کیا جائے۔

قدیم فقہی ذخیرۂ کتب کی روشنی میں شراکت سے متعلق ایک عام شرط یہ ہے کہ حصہ دار نفع میں حصہ داری کا کوئی تناسب طے کرنے کے مجاز ہوتے ہیں لیکن نقصان سرمایہ میں حصہ کی نسبت سے برداشت کرنا پڑتا ہے' جب کہ مضاربت کی صورت میں نفع میں ایک معیّنہ حصہ کے بقدر دونوں شریک ہوتے ہیں لیکن نقصان کی صورت میں سارا بوجھ ربّ المال یعنی سرمایہ کار کو اٹھانا پڑتا ہے اور مضارب یعنی محنت کار کی محنت رائیگاں جاتی ہے۔

لیکن بحالاتِ موجودہ نفع و نقصان میں شرکت کے مجوزہ نظام کے تحت مالیاتی اداروں اور کاروباری و صنعتی اداروں کے مابین منافع کی تقسیم کو ملک کے اسٹیٹ بینک کے ذریعے باضابطہ بنایا جا سکتا ہے۔ نیز مالیاتی اداروں کو زیرِ تکمیل منصوبوں کا معائنہ نیز کاروباری اداروں کے حسابات کے جانچ پڑتال، فیصلہ کن پالیسی امور میں حصہ لینے کے اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔

سرمایہ کی فراہمی میں کسی رکاوٹ سے بچنے اور اس کے حصول کو مسلسل بنانے کے لئے ضروری ہے کہ بینکوں کی جو رقوم واجب الادا ہوں ان پر عدم ادائیگی کی صورت میں جرمانہ عائد کیا جا سکے۔ تاہم یہ جرمانہ بینکوں کو نہیں ملنا چاہئے بلکہ سرکاری خزانہ میں جمع کیا جانا چاہئے۔ چونکہ ادائیگی میں معقول وجوہ کے بغیر تاخیر یا ناکامی سے نہ صرف اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی بلکہ یہ بات نئے نظام کی کامیابی کے لئے بھی ضرر رساں ثابت ہو گی' اس لئے نادہندگان کو سخت سزا دی جائے جس میں جائیداد کی ضبطی بھی شامل ہو۔ تاخیر کے مرتکب افراد کو ناپسندیدہ فہرست (Black List) میں شمار کیا جائے اور انہیں آئندہ بینکوں سے کوئی مالی امداد نہ دی جائے۔

بلاسود معیشت کی کامیابی کے لئے یہ لازمی ہو گا کہ بینکوں کو سرمایہ کاری سے متعلق موصول ہونے والی تجاویز کے قبول یا استرداد کی مکمل اور غیر مشروط آزادی ہو۔ ایسے سرکاری اداروں کو جو صحت مند بینک کاری کے معیار پر پورے نہ اتریں یا تو کوئی جداگانہ سرکاری ایجنسی سرمایہ فراہم کرے یا بینکوں کو سرمایہ کی واپس ادائیگی کی ضمانت دی جائے

اور حکومت کی طرف سے انہیں اتنی امداد مہیا کی جائے جو بینک کی اوسط شرح نفع کے مساوی ہو۔ مجوزہ نظام کو کامیاب بنانے کے لئے جانچ پڑتال کے نظام میں اس وقت متعدد خرابیاں موجود ہیں' ان کی بنیادی اصلاح کرنا بھی ضروری ہے۔

خاتمۂ سود کے کام کو مرحلہ وار تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں سرکاری لین دین (جو حکومت اور سٹیٹ بینک و تجارتی بینکوں کے مابین ہوتا ہے)' بعض وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی طرف سے مقامی حکومت کے اداروں اور خود مختار کارپوریشنوں کو بلا نفع لیکن لازمی منصوبوں کے لئے دیئے جانے والے قرضوں' نیز تقاوی قرضوں' سرکاری ملازمین کو دیئے جانے والے قرضوں' سرکاری ملازمین کے پراویڈنٹ فنڈ کے بقایا جات' سرکاری واجبات کی عدم ادائیگی پر ہونے والے جرمانوں' موسمی ضروریات کے لئے تجارتی بینکوں کی طرف سے کسانوں کو دی جانے والی سرمایہ کاری' ذرائع آمد و رفت کے لئے سمال بزنس کارپوریشن کی طرف سے مہیا کی جانے والی رقوم' نیز آئی' سی' پی کی طرف سے سرمایہ کاری کی اسکیم کے تحت دیئے جانے والے قرضوں کو شامل کیا جانا چاہئے۔

دوسرے مرحلہ میں بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے ان اثاثوں سے' جو اندرونِ ملک لین دین میں استعمال کئے جاتے ہیں' سود کو مکمل طور پر ختم ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ سرکاری کاروبار میں اگر کچھ گوشے ایسے رہ گئے ہوں جن میں سودی لین دین ہوتا ہو تو اس کا بھی استیصال کیا جانا چاہئے۔

اندرون ملک کاروبار سے خاتمہ سود کے اس دوسرے مرحلہ میں بینکوں کو سود کی بنیاد پر لوگوں کی امانتیں جمع نہیں کرنی چاہئیں بلکہ نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر رقوم جمع کرنا چاہئے۔ بینکوں کے مابین ہونے والا کاروبار بھی نفع و نقصان میں شرکت کے نظام پر ہونا چاہئے۔ نیز سٹیٹ بینک' دوسرے بینک اور مالیاتی اداروں کو جو سرمایہ فراہم کیا جائے اس پر سود کا لین دین نہیں ہونا چاہئے۔

بین الاقوامی تجارت اور امداد کو سود سے پاک کرنے کا عمل' جس کے ساتھ سب سے زیادہ مشکلات وابستہ ہیں' تیسرے اور آخری مرحلہ میں مکمل ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں اسلامی ممالک کے مابین اقتصادی تعاون کو فروغ دینا ضروری ہے۔ نیز غیر ملکی

اداروں سے نفع و نقصان کی بنیاد پر باہمی اقتصادی تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ اِس وقت ہم نے جو غیر ملکی قرضے سود پر لے رکھے ہیں یہ سلسلہ جلد از جلد بند ہونا چاہئے اور دوسری طرف سے قرضوں کو اتارنے کی حقیقی کوشش کرنی چاہئے اور لوگوں کو محنت کی عادت ڈلوانی چاہئے۔ غیر ضروری اخراجات کو ختم کیا جانا چاہئے۔ زکوٰۃ و عشر کے نظام کو از سرِ نو ترتیب دیا جانا چاہئے۔ حکم قرآنی "وَاٰتُوا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ" کے بموجب کھیتی کٹنے کے دن اللہ کا یعنی معاشرہ اور سوسائٹی کا حق ادا کرو۔ چنانچہ قرآن و سنت کے مطابق سختی کے ساتھ عشر وصول کیا جانا چاہئے اور اس سلسلے میں شیعہ سنی کی تفریق ختم ہونی چاہئے۔ وما علینا الا البلاغ۔

مصر کے مشہور عالم اور الاخوان المسلمون کے مشہور لیڈر سید قطب شہیدؒ نے جنہیں صدر ناصر کی آمریت کو چیلنج کرنے کے جرم میں اس کے حکم سے الاخوان المسلمون کے دیگر زعماء کے ساتھ سزائے موت دی گئی، اپنی تفسیر قرآن "فی ظلال القرآن" کی جلد اول میں سورۂ بقرہ کی آیات متعلقہ سود کے تشریح میں صاف صاف یہ بات لکھی ہے کہ "اسلام اور سود ایک ساتھ نہیں چل سکتے"۔ اب یہ فیصلہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اسلام کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں یا سود کے ساتھ۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اجتماعِ ضدین ایک امر محال ہے۔ نائب صدر اسلامی ترقیاتی بینک (جدہ) سعید احمد مینائی صاحب جو قبل ازیں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے اکانومک ایڈوائزر بھی رہ چکے تھے، ازراہ کرم مجھ سے ملاقات کے لئے کونسل کے دفتر میں تشریف لائے (شاید انہیں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے بلاسود بینکاری کے سلسلہ میں مشورہ کے لئے بلایا تھا) ان سے دو طویل ملاقاتیں رہیں۔ اس ساری گفتگو کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ تھا کہ ہمارے حکمرانوں میں "ایمان" کی کمی ہے ورنہ اسلامی بینکاری کا نفاذ کوئی لاینحل مسئلہ نہیں ہے کہ حل ہی نہ ہو سکے۔ اور میں نے یہی بات اکتوبر ۱۹۸۳ میں سورۂ جاثیہ کی ابتدائی آیات کے حوالہ سے جنرل ضیاء الحق کی صدارت میں ہونے والے کابینہ کے اجلاس میں عرض کی تھی جس پر جنرل صاحب موصوف نے ذرا تیز لہجہ میں فرمایا تھا: "ہمارے پاس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کے درجہ کا ایمان نہ ہو مگر الحمدللہ ہم سب صاحب ایمان ہیں"۔ بحیثیت چیئرمین کونسل آف

اسلامک آئیڈیالوجی (۸۴-۱۹۸۰) اور چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ (۹۲-۱۹۹۰ء) جنرل ضیاء الحق، غلام اسحاق خان، محمد نواز شریف اور بعض وزراء کے ساتھ نفاذ شریعت کے سلسلہ میں میرا رابطہ رہا۔ میں اپنے وسیع مطالعہ، طویل تجربہ اور براہ راست مشاہدہ کی بنیاد پر پورے یقین و اذعان کے ساتھ علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ پاکستان کے حکمرانوں میں نفاذ شریعت کے معاملہ میں دل و نگاہ کی مسلمانی اور سیاسی عزم (Political Will) کا فقدانِ عظیم نفاذ شریعت کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس سلسلے میں چند کلیوں پر قناعت کر جانے والے علماء کو بھی میں ذمہ دار سمجھتا ہوں کہ انہوں نے غضِّ بصر (چشم پوشی)، کتمانِ حق (حق بات کو چھپانا)، ذاتی مفاد اور مصلحت اندیشی اور کم کوشی سے کام لیا جس کے نتیجے میں موجودہ صورت حال پہلے سے بھی ابتر ہے۔ اقبال نے سچ کہا ہے : دل و نگہ جو مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

بقیہ : شہادت علی النّاس

"مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کی صدا کی۔ یہی صدا ہے جو بلند کی ہے امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے۔ آیئے آگے بڑھیں اور اپنے نفس کو سمع و طاعت کا خوگر بنا کر کمر ہمت کسیں اور اللہ کے دین کو پہلے پاکستان اور پھر پوری دنیا پر غالب کرنے کی جِدّوجُہد کا آغاز کریں اور اس کے لئے قرآن مجید کو ذریعہ بنائیں اپنی دعوت کا اور حق تبلیغ بھی ادا کریں۔ تبلیغ اس کی فرض ہے اور دعوت اس کے ذریعہ ہی دینا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو شہادت الہدیٰ اور دین الحق کی فرضیت کا شعور عطا کرے اور پھر اس کام کے لئے لبیک کہنے کی توفیق بھی دے۔

واللّٰہ المستعان علیٰ ما تصفون، والحمد للّٰہ ربّ العالمین OO

بیت الرحمۃ

چار سے نو برس تک کی یتیم بچیوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کا ایک منفرد اور مثالی ادارہ۔

داخلے کے لئے رابطہ کریں : فون : 6664650-5839816

امّتِ مسلمہ کی عمر (۴)

اور

مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان

امین محمد جمال الدین
شعبہ دعوت وثقافت، دعوت اسلامی کالج، جامعہ الازہر

کی معرکہ الاراء کتاب "عمر امّة الإسلام وقرب ظهور المهدی" کا

تیسرا باب

مترجم: پروفیسر خورشید عالم، قرآن کالج لاہور

چوتھی فصل

ظہورِ مہدی کی علامت اور اس کی بیعت

پہلے وہ احادیث پیش خدمت ہیں جو ظہور مہدی کے بارے میں ہیں۔

۱۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ خواب میں اللہ کے رسول ﷺ کا جسم (ڈر کی وجہ سے) حرکت کرنے لگا{۱} تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! آیا آپ نے خواب میں ایسی بات کی جو آپ نے پہلے کبھی نہیں کی۔ آپؐ نے فرمایا: "عجیب بات ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ قریش کے ایک آدمی کو پکڑنے کے لئے بیت اللہ کی طرف جا رہے ہیں۔ اس آدمی نے بیت اللہ میں پناہ لی ہوئی ہے۔ جب وہ کھلے میدان ہوں گے تو وہ زمین میں دھنس جائیں گے"۔ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہر قسم کے لوگ راستے میں جمع ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، کچھ لوگ

تو سوچ سمجھ کر ایک مقصد کے لئے آئیں گے، کچھ مجبوراً آئیں گے اور کچھ مسافر ہوں گے۔ وہ سب ایک ساتھ ہلاک ہو جائیں گے مگر قیامت کے دن مختلف حالتوں میں نکلیں گے۔ اللہ ان کو ان کی نیتوں کے مطابق اٹھائے گا۔"{۲}

۲۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک پناہ لینے والا بیت اللہ کی پناہ لے گا۔ اس کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ ابھی وہ وہیں ہوں گے کہ زمین میں دھنس جائیں گے۔"{۳}

۳۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس گھر کی پناہ میں کچھ لوگ آئیں گے، وہ محفوظ نہیں ہوں گے، نہ ان کے پاس لڑنے کے لئے نفری ہوگی نہ سامان جنگ، ان کی طرف ایک فوج بھیجی جائے گی، جب وہ کھلی جگہ میں ہوگی تو زمین میں دھنس جائے گی۔"{۴}

۴۔ "ایک لشکر اس گھر پر چڑھائی کا قصد کرے گا، یہاں تک کہ جب وہ کھلی جگہ میں پہنچے گا، اس کا درمیانی حصہ زمین میں دھنس جائے گا۔ پہلا حصہ آخری حصے کو بلائے گا، پھر وہ بھی دھنس جائیں گے۔ ان کی خبر بتانے کے لئے سوائے ایک بھگوڑے کے کوئی باقی نہیں رہے گا۔"{۵}

۵۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "رکن اور مقام (ابراہیم) کے درمیان ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔"{۶}

۶۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "میری امت کا ایک لشکر شام کی جانب سے آئے گا۔ وہ ایک آدمی کو پکڑنے کے لئے بیت اللہ کا قصد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں سے محفوظ رکھے گا۔"{۷}

اس باب کی دوسری فصل میں ہم نے مہدی کا نام اور اس کی صفات پیش کی ہیں کہ اس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی نسل سے کشادہ پیشانی والا اور درمیان سے بلند ناک والا نوجوان ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ صفات تو بہت سے انسانوں میں پائی جاسکتی ہیں۔ اس صورت میں مہدی کا معاملہ ہمارے لئے مشتبہ ہو سکتا تھا۔ لازمی طور پر کوئی ایسی واضح نشانی ہونی چاہئے جو اس کے علاوہ اور کسی میں نہ پائی جائے تاکہ جب

اس کا ظہور ہو تو واضح علامت کے باعث اس کے بارے میں دو آدمیوں کی رائے مختلف نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے مسیح دجال کی کامل مکمل صفات کا ذکر کیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ حضور ﷺ اس کی شکل کو اس سے بھی بڑھ کر جانتے تھے۔ {۸} آپ نے ایک ایسے وصف کا ذکر کیا ہے جو صرف اسی میں ہو گا۔ یعنی دجال کی آنکھوں کے درمیان "کافر" کا کلمہ لکھا ہوا ہو گا' اسے ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ مومن بھی پڑھ سکے گا۔

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی صفات کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تفصیل {۹} سے بیان کیا ہے۔ نہ ہمارے لئے ان کا معاملہ مشتبہ ہو گا اور نہ کسی اور پر ڈھکا چھپا رہے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ آسمان سے اس کیفیت میں اتریں گے کہ کسی دوسرے میں وہ کیفیت نہیں پائی جا سکتی' یعنی وہ اللہ کے فرشتوں میں سے دو قابل احترام فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے۔

کیا کوئی ایسی منفرد اور واضح نشانی ہے جس سے ہمیں یقین ہو جائے کہ محمد بن عبداللہ جن کی صفات کا ابھی ابھی ذکر ہوا ہے اور جس کے ہاتھ پر رکن اور مقام ابراہیم پر بیعت ہو گی' یہی وہ مہدی ہیں جن کا انتظار ہو رہا ہے۔

ظہورِ مہدی کی یقینی علامت

کعبہ شریف کے نزدیک مہدی کے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ رکن اور مقام ابراہیم {۱۰} کے درمیان وہ لوگ بیعت کریں گے جن کے پاس نہ کوئی قوت ہو گی' نہ تعداد اور نہ ہی ساز و سامان {۱۱} وہ کعبہ شریف کی پناہ لیں گے۔ مسلمانوں کا ایک لشکر ان سے لڑنے کے لئے بھیجا جائے گا تاکہ ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ "عجب بات تو یہ ہے کہ میری امت کے لوگ کعبے کا قصد کریں گے تاکہ قریش کے اس آدمی کو پکڑیں جس نے بیت اللہ میں پناہ لی ہو گی۔ یہاں تک کہ مدینہ سے تھوڑی دور ذی الحلیفہ کے مقام پر زمین میں دھنس جائیں گے۔ یعنی زمین پھٹ کر ان کو نگل جائے گی۔ ایک یا دو بھگوڑے بچیں گے جو لوگوں کو دھنسنے کے واقعہ کی خبر دیں گے۔" اس وقت سب کو معلوم ہو جائے گا کہ بیت اللہ کا یہ پناہ

گزین ہی خلیفۃ اللہ مہدی ہے۔ وہ ایسا انسان ہے کہ جس کے احترام اور دفاع کی خاطر اللہ فوج کو زمین دوز کردے گا۔

یہ دیکھ کر لوگ گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں ان کی بیعت کریں گے۔ شام کے ابدال (صالحین) اور عراق کے اولیاء اور نیک لوگوں کی جماعتیں اس کے پاس آکر ان کی بیعت کریں گی اور سب پر ان کی بیعت واجب ہوگی۔ پس ظہورِ مہدی کی یقینی علامت یہ ہے کہ جو فوج ان کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجی جائے گی وہ زمین میں دھنس جائے گی۔

اس فصل کے خاتمہ سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان خاص امور کی طرف اشارہ کردیں جن کا تعلق مہدی کے ظہور اور ان کی بیعت سے ہے۔

۱۔ ہمارے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں ہے جس کی بناء پر ہم اس بات کا تعین کرسکیں کہ کعبہ کے نزدیک ان کی بیعت سے پہلے مہدی کا خروج کس جہت سے ہوگا۔ ایک روایت ہے کہ ان کا خروج مشرق سے ہوگا۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب (الفتن و الملاحم) {۱۲} میں یہی قطعی رائے پیش کی ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ خروج مغرب سے ہوگا۔ اس کا تذکرہ امام قرطبی {۱۳} نے کیا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ مدینہ کا ایک آدمی بھاگ کر مکہ جائے گا، جیسے کہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے جس کے آغاز میں یہ لکھا ہے کہ اختلاف خلیفہ کی موت کے وقت ظاہر ہوگا۔ اس کی سند میں مشہور قول ہے {۱۴}۔

میری رائے یہ ہے کہ عین ممکن تھا کہ جس طرح مہدی کی صفات اور علامات کے بارے میں واضح نصوص وارد ہوئی ہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی کوئی واضح نص اس کے خروج کی جگہ کا تعین کردیتی مگر اللہ کی ایک خاص حکمت کے تحت یہی بہتر تھا کہ ان کے خروج کی جگہ اور ان کی روانگی کے مقام کو مخفی رکھا جائے تاکہ قیام گاہ محفوظ رہے، خواہ یہ قیام گاہ مشرق میں ہو یا مغرب میں اور دشمن مکر کے تیر ان پر برسا کر اور جام غضب ان پر انڈیل کر انہیں ایذا نہ پہنچا سکیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب نبی معصوم ﷺ کی کوئی حدیث ان تک پہنچ کر مکان کا تعین کر دیتی، غالباً یہی وہ حکمت ہے جس کے تحت مہدی کے خروج کے مقام کو ہم سے مخفی

رکھا گیا ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں لشکر کے زمین میں دھنسنے کا منظر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ جب مہدی کو پکڑنے کے ارادے سے لشکر تیز تیز چل رہا ہوتا ہے جو لشکر کا درمیانی حصہ زمین میں دھنس جاتا ہے۔ زمین میں دھنس کر وہ آخری حصے کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ باقی لشکر کے بھی ہوش اڑ جاتے ہیں اور اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگتے ہیں۔ فوج کا اگلا حصہ پچھلے حصے کو پکارتا ہے مگر جواب ملنے سے پہلے ان کو بھی عذاب آلیتا ہے۔ دھنسنے سے پہلے زمین کے اندر سے آوازوں کا شور اور گونج سنائی دیتی ہے۔ اس عذاب سے صرف ایک یا دو آدمی بچتے ہیں جو لوگوں کو بتاتے ہیں کہ لشکر پر کون سی بلا نازل ہوئی۔

۳۔ مہدی اور ان کے ساتھیوں کے پاس نہ نفری ہوگی نہ سامانِ جنگ اور نہ کوئی اور طاقت۔ جو لشکرِ جرّار ان کے خاتمے کے لئے نکلے گا وہ پیادہ فوج پر مشتمل ہوگا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مجدون والی اتحادی جنگ جو ظہور مہدی سے تھوڑی دیر پہلے ہوگی ایک تباہ کن جنگ ہوگی جس میں میزائل، لڑاکا ہوائی {۱۵} جہاز اور جنگی اہمیت کا دوسرا اسلحہ فنا ہو جائے گا۔ وگرنہ اس لشکر کو شام سے مکہ تک صحرا نوردی کی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ معاملہ کی نزاکت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ جہازوں کے ذریعہ مہدی کی رہائش تک پہنچ جاتے جیسا کہ ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) میں حرم شریف کے حادثہ میں ہوا تھا جہاں طیاروں نے حرم شریف کے اوپر پرواز کی تھی تاکہ ان بنیادوں پر بم پھینکیں جن میں مسلح افراد پناہ لئے ہوئے تھے۔

۴۔ لشکر کے زمین میں دھنسنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان سے انتقام لیا اور عبرتناک سزا دی۔ کیونکہ زمین میں دھنسنا بھی ایک قسم کا عذاب اور انتقام ہے، اگرچہ حدیث میں ان آدمیوں کے درمیان تمیز کی گئی ہے جو جنگ کے ارادے سے نکلے تھے اور جو بامرِ مجبوری نکلے تھے یا جو مسافر تھے اور اس عذاب کے وقت ذوالحلیفہ کے مقام پر اتفاقاً موجود تھے۔ حدیث یہ بھی بتاتی ہے کہ ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق قیامت

کو اٹھایا جائے گا۔ ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اس بدنصیب اور خستہ حال لشکر میں شامل ہوں جس کو اللہ زمین میں دھنسا دے گا' تاکہ خلیفہ آخر الزماں مہدی منتظر محمد بن عبداللہ بن الحسن بن فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کو تائید غیبی حاصل ہو۔

پانچویں فصل

مہدی کے زمانے میں ہونے والی خونی جنگیں

جونہی لشکر زمین میں دھنسے گا مہدی کا چرچا ہو جائے گا' اس کا نام بلند ہو جائے گا اور مشرق و مغرب سے بیعت کرنے والوں کے وفد اس کے پاس آئیں گے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر مدد کا وعدہ کریں گے اور اللہ کے نام کی سربلندی کے لئے اس کی بیعت کریں گے ان کا نعرہ ایک ہی ہو گا "فتح یا شہادت"۔ مہدی کی خاطر موحدین کا ایک لشکر جمع ہو جائے گا۔ انہیں آرام و سکون کی فرصت نہ ہو گی' وہ تو ایسے معرکوں اور جنگوں میں کود پڑیں گے جن میں آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو جائیں گی' تلواریں چمکیں گی' گھوڑے ہنہنائیں گے اور دل اچھل کر حلق میں آ جائیں گے۔ مقتولین کی تعداد اتنی زیادہ ہو گی اور خون کی اس قدر فراوانی ہو گی کہ گھوڑے اس خون میں کودتے پھریں گے۔ ارتداد کا فتنہ سخت ہو گا۔ ہم اللہ سے سلامتی اور ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔

اگر ہم مہدی کی جنگوں پر طائرانہ نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ وہ دنیا بھر سے اور سارا عالم ان سے جنگ کرے گا۔ یہ سب واقعات چند مہینوں کے مختصر سے عرصہ میں انجام پذیر ہوں گے۔

مہدی جہاد کریں گے :

- جزیرۃ العرب کے عرب مسلمانوں سے
- فارس کے شیعہ مسلمانوں سے

- امریکہ اور روس (روم) سے
- لادین ترکوں سے (قسطنطنیہ میں)
- یہودیوں سے
- روما سے
- کمیونسٹوں سے (خوزستان و کرمان میں)

ان سب جنگوں میں مہدی علیہ السلام کی فوج کو فتح ہوگی۔ سب تعریفوں کا سزاوار وہ ہے جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔

مہدی کی بڑی بڑی جنگوں کی وقتی (زمانی) ترتیب

مہدی کی پہلی جنگیں بالترتیب جزیرۃ العرب (سعودی عرب) فارس (ایران) روم' قسطنطنیہ' یہودیوں' مغرب کے عیسائیوں (اٹلی) ترکوں اور خوزستان و کرمان (چین' روس' جاپان) کے ساتھ ہوں گی۔ اس کی تفصیل یوں ہے :

پہلے ان احادیث کا ذکر جو اس سلسلہ میں مروی ہیں :

۱۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "پہلے تم جزیرۃ العرب پر چڑھائی کرو گے۔ اللہ تمہیں فتح دے گا۔ پھر فارس پر' پھر روم پر حملہ کرو گے۔ اللہ تمہیں فتح دے گا۔ پھر تم دجال سے جہاد کرو گے۔ اللہ تمہیں فتح دے گا{۱۶}

۲۔ اللہ کے رسول ﷺ کا قول ہے : "بیت المقدس کی آبادی کے بعد یثرب کی بربادی ہوگی۔ یثرب کی بربادی کے بعد خونریز معرکہ کا آغاز ہوگا۔ اس کے بعد قسطنطنیہ فتح ہوگا اور اس کے بعد دجال کا ظہور ہوگا{۱۷}

۳۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک مسلمان یہودیوں سے لڑ نہ لیں۔ مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ ایک یہودی کسی درخت یا پتھر کی اوٹ میں چھپ جائے گا تو وہ درخت یا پتھر پکار اٹھے گا : "اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے یہودی ہے' آؤ اسے قتل کرو۔ صرف غرقد (کانٹے دار جھاڑی جو بیت المقدس کے قرب و جوار میں ہوتی ہے' جو

چھونے والے کو تکلیف دیتی ہے) کا درخت یہ بات نہیں کہے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے"۔ {۱۸}

۴۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "اس وقت تک قیامت بپا نہیں ہوگی جب تک تم خوزستان اور کرمان کے عجمیوں سے جنگ نہ کرلوگے جن کے چہرے سرخ، ناک چپٹے اور آنکھیں چھوٹی ہوں گی، یوں معلوم ہوگا جیسے ان کے چہرے ہتھوڑوں سے کوٹی ہوئی ڈھالیں ہیں"۔ {۱۹}

۵۔ اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا گیا : قسطنطنیہ یا روم میں سے کونسا شہر پہلے فتح ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا : ہرقل کا شہر پہلے فتح ہوگا" {۲۰} یعنی قسطنطنیہ روم سے پہلے فتح ہوگا۔

مہدی کی جنگوں کی تفصیل

پہلی جنگ: جزیرۃ العرب کی جنگ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

"تم جزیرۃ العرب پر چڑھائی کروگے۔ اللہ تمہیں فتح دے گا"۔

یہ اس زمانہ میں ہوگا جب اہل روم عہد شکنی کرکے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے فوج جمع کرلیں گے۔ لشکر کے دھنس جانے کے بعد مہدی سے لڑنے والا سب سے پہلا لشکر یہی جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کا لشکر ہوگا۔ {۲۱} سفیانی نامی قریش کا ایک آدمی یہ لشکر تیار کرے گا اور اپنے ننھیال بنو کلب {۲۲} سے مدد لے گا۔ وہ مہدی سے جنگ کے لئے نکلیں گے۔ مہدی ان کو بدترین شکست دے گا۔ بڑا مال غنیمت اس کے ہاتھ لگے گا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ نامراد وہ ہے جو بنو کلب کی غنیمت میں موجود نہ ہوگا۔ اس جنگ کے بعد جزیرۃ العرب مہدی کے لئے اپنے دروازے کھول دے گا۔ وہ اس پر قبضہ جمالے گا اور پورے علاقے کو زیر نگین کرے گا۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کی یہ بات سچی ثابت ہوگی کہ تم جزیرۃ العرب پر یورش کروگے اور اللہ اسے تمہارے لئے فتح کردے گا۔

دوسری جنگ : فارس (ایران) کی جنگ

نبی ﷺ نے فرمایا :

"اور تم فارس پر حملہ کروگے اور اللہ اسے تمہارے لئے فتح کردے گا"۔

فارس (ایران) سے امامی یا اثنا عشری {۲۳} شیعوں کا ایک لشکر نکلے گا۔ وہ اہل سنت کے بدترین دشمن ہیں۔ وہ ان کے بارے میں نہ قرابت کا پاس کرتے ہیں نہ قول و قرار کا اور نہ اس بات پر ان کو شرم محسوس ہوگی کہ وہ اس مہدی کے خلاف لڑنے کے لئے لشکر روانہ کر رہے ہیں جو وہ بارہواں امام نہیں جس کا وہ انتظار کر رہے ہیں۔ مہدی ان کو بدترین شکست سے دوچار کردے گا۔ مہدی کا جھنڈا کبھی نہیں جھکے گا۔ اس کے جھنڈے سفید اور زرد رنگ کے ہوں گے، جن میں دھاریاں ہوں گی اور ان میں اللہ کا اسم اعظم لکھا ہوگا۔

تیسری جنگ : اہل روم (امریکہ اور یورپ) کی جنگ

یہ جنگ الملحمۃ الکبریٰ ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا :

"پھر تم روم پر حملہ کروگے۔ اللہ اسے فتح کردے گا"

یہ ملحمۂ کبریٰ (بڑا خونریز معرکہ) ہے۔ یہ جنگ سب جنگوں سے سخت ہوگی۔ یہ وہی جنگ ہے جو رومیوں کے ہرمجدون کی جنگ سے لوٹنے کے نو ماہ بعد ہوگی۔ عہد شکنی کے عرصہ میں رومی بادشاہ چھپ چھپ کر اکٹھے ہوں گے۔ وہ لشکر جرار لے کر ہماری طرف آئیں گے۔ جس میں تقریباً ایک ملین سپاہی ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے : "وہ تمہاری طرف اسی (۸۰) جھنڈوں تلے آئیں گے۔ ہر جھنڈے تلے ۱۲ ہزار سپاہی ہوں گے {۲۴}

معرکہ کی رفتار، اس کے نتائج اور اس کا مقام : امام مسلم نے صحیح میں ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک رومیوں کا لشکر اعماق یا دابق میں فروکش نہ ہو جائے گا۔ ان کے مقابلے کے لئے مدینہ سے ایک لشکر نکلے گا جو اس زمانہ کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جب وہ صف

بندی کر لیں گے تو رومی ان سے کہیں گے کہ تم ہمارے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو ہم سے قیدی بنائے گئے ہیں رکاوٹ نہ بنو' ہمیں ان سے لڑنے دو۔ وہ جواب دیں گے نہیں اللہ کی قسم ہم اپنے بھائیوں سے لڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ چنانچہ لڑائی شروع ہو جائے گی۔ ایک تہائی شکست {۲۶} کھا جائیں گے۔ اللہ کبھی ان کی توبہ قبول نہیں کرے گا۔ ایک تہائی قتل ہو جائیں گے جو اللہ کے نزدیک بہترین شہید شمار ہوں گے اور ایک تہائی فتح حاصل کریں گے' انہیں کبھی بھی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔ وہ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔ وہ زیتون کے درختوں پر اپنی تلواریں لٹکا کر مال غنیمت کی تقسیم میں لگ گئے ہوں گے کہ شیطان آواز دے گا کہ مسیح (دجال) نے پیچھے سے تمہارے اہل و عیال کو پکڑ لیا ہے۔ وہ نکل کر جائیں گے تو یہ بات جھوٹ ثابت ہو گی۔ جب وہ شام پہنچیں گے تو دجال کا خروج ہو گا۔ ابھی وہ لڑنے کے لئے اپنی صفیں درست کر رہے ہوں گے کہ نماز کھڑی ہو جائے گی اور عیسیٰؑ بن مریم کا نزول ہو گا۔ وہ دجال کی طرف جائیں گے۔ جب اللہ کا دشمن انہیں دیکھے گا تو نمک کی مانند پگھل جائے گا۔ اگر عیسیٰؑ اس کو چھوڑ دیتے تو وہ پگھل پگھل کر مر جاتا مگر وہ اسے اپنے ہاتھ {۲۷} سے قتل کریں گے اور اپنے چھوٹے نیزے {۲۸} پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے"۔

معرکہ کے واقعات کی اور بھی تفصیل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں :
مسلمان موت کا ایک دستہ {۲۹} (Death Squad) تیار کریں گے جو صرف غلبہ کی صورت میں واپس آئے گا۔ وہ باہم لڑیں گے یہاں تک کہ ان کے درمیان رات حائل ہو جائے گی۔ چنانچہ دونوں لشکر بغیر غلبہ کے لوٹ آئیں گے۔ وہ دستہ فنا ہو جائے گا۔ پھر مسلمان ایک اور دستہ موت کے لئے تیار کریں گے جس کا کام یہ ہو گا کہ وہ صرف فتح حاصل کر کے لوٹے۔ ان کی آپس میں لڑائی ہو گی یہاں تک کہ ان کے درمیان رات حائل ہو جائے گی اور وہ بغیر فتح پائے واپس آ جائیں گے۔ وہ دستہ بھی فنا ہو جائے گا۔ پھر مسلمان ایک اور دستہ موت کے لئے تیار کریں گے جس کے ذمے ہر حالت میں فتح حاصل کرنا ہو گا۔ وہ ایک دوسرے سے لڑیں گے یہاں تک کہ رات ہو جائے گی۔ دونوں لشکر بغیر غلبہ پائے لوٹ آئیں گے اور دستہ فنا ہو چکا ہو گا۔ چوتھے دن باقی مسلمان ان سے لڑنے

کے لئے جائیں گے۔ اللہ رومیوں کی قسمت میں شکست لکھ دے گا۔ مسلمان ان کو اس' طرح قتل کریں گے کہ ایسا قتل اس وقت تک کسی نے نہ دیکھا ہو گا۔ یہاں تک کہ جب ایک پرندہ ان کے پاس سے گزرے گا تو آخر تک پہنچنے سے پہلے گر کر مرجائے گا۔ [۳۰] (اس قدر قتل عام ہو گا) کہ جب گنتی کی جائے گی تو ایک ہی باپ کی اولاد کے سو آدمیوں سے صرف ایک آدمی بچے گا۔ ایسے حالات میں مال غنیمت بانٹنے کی کیا خوشی ہو گی اور میراث کہاں رہے گی جو بانٹی جاسکے"۔

مندرجہ بالا دو صحیح حدیثوں سے درج ذیل حقائق پر روشنی پڑتی ہے :

(۱) اہل روم اور ہمارے درمیان ہونے والا زبردست معرکہ جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے الملحمۃ الکبریٰ کا نام دیا ہے' سوریا میں دمشق [۳۱] سے قریب اعماق یا دابق نامی مقامات پر ہو گا۔ مہدی کا صدر مقام دمشق سے قریب غوطہ میں ہو گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الملحمۃ الکبریٰ (بڑی خونریز جنگ) میں مسلمانوں کا کیمپ ایک ایسی سرزمین میں ہو گا جسے غوطہ کہا جاتا ہے وہاں دمشق کے نام سے ایک شہر ہے وہ اس زمانے میں مسلمانوں کا بہترین پڑاؤ ہو گا [۳۲]۔

(۲) اہل روم مسلمانوں سے سب سے پہلی بات یہ کہیں گے کہ ہمیں ان لوگوں سے لڑنے دو جو ہم میں سے قیدی بنائے گئے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہرمجدون کے معرکہ کے بعد بہت سے عیسائی مسلمان ہو جائیں گے اور وہ مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر مہدی کی طرف سے لڑیں گے۔ اہل روم سمجھیں گے کہ وہ ان کے آدمی ہیں جنہیں قید کر لیا گیا اور جنہوں نے غداری کی۔ چنانچہ وہ انہی سے انتقاماً لڑائی کا آغاز کرنا چاہیں گے۔

(۳) چار دن تک مسلسل جاری رہنے والی جنگ میں خوب قتل و غارت ہو گا۔ اس جنگ میں حائل ہونے والی رات کے سوا تلواریں کبھی بھی نیام میں نہیں جائیں گی۔ چوتھے روز جنگ کے مندرجہ ذیل نتائج نکلیں گے :

—— رومیوں کو بدترین شکست ہو گی' ایسی شکست جو انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھی

ہو گی۔ ان کی اتنی بڑی تعداد قتل ہو جائے گی جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے۔ بیشتر لشکر تباہ و برباد ہو جائے گا اور اللہ ان کو مصائب میں مبتلا کرے گا۔

—— مسلمانوں کو اتنی سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا کہ جان لبوں تک آ جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندے مہدی محمد بن عبد اللہ کی مدد فرمائے گا۔ ایک تہائی لشکر مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ جائے گا اللہ بھی ان کا ساتھ چھوڑ دے گا' اور ان کی توبہ کبھی بھی قبول نہیں کرے گا۔ ایک تہائی لشکر جام شہادت نوش کرے گا' وہ اللہ کے نزدیک بہترین شہید ہوں گے۔ باقی ایک تہائی فتح یاب ہو گا۔ ان کو پھر کبھی بھی آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔ وہی جنتی ہوں گے۔

(۴) ان دو حدیثوں سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ یہ جنگ گھوڑوں اور تلواروں سے ہو گی۔

۱۔ نصِ حدیث میں گھوڑوں اور تلواروں کا تذکرہ ملتا ہے۔ الفاظ یوں ہیں : "انہوں نے اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکا رکھی ہوں گی"۔

۲ ۔ اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "یہاں تک کہ ان کے درمیان رات حائل ہو جائے گی' پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ ایسا ان جنگوں میں ہوتا ہے جو گھوڑوں اور تلواروں سے لڑی جائیں وگرنہ موجودہ جنگیں تو ہوائی جہازوں' میزائلوں' ٹینکوں اور توپوں سے لڑی جاتی ہیں۔ اور ان جنگوں میں رات یا دن سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ رات جنگ کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی۔ ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں جن کو ہر بات میں تاویل کی عادت سی ہو گئی ہے اور جو "حدیث رسول میں "گھوڑوں اور تلواروں سے مراد ٹینک اور گولیوں کی بارش کرنے والی توپیں لیتے ہیں کہ وہ "یہاں تک کہ رات ان کے درمیان حائل ہو جائے گی" کی کیا تاویل کریں گے؟ اور "وہ ان کو اس کا خون اپنے نیزے پر دکھائے گا" کا کیا مطلب ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارتیں تاویل قبول نہیں کرتیں۔ ہم پھر وہی کہیں گے جو ہم نے پہلے کہا کہ ان جنگوں اور خونریز معرکوں میں گھوڑے اور تلواریں ہی فیصلہ کن ثابت ہوں گی۔ اس میں ایسی تعجب کی بات بھی نہیں' کیونکہ ہر مجدون کی عالمی تباہ کن

جنگ جنگی اہمیت کے ان ہتھیاروں کو یا تو بے کار کر دے گی یا تباہ کر دے گی جو پٹرول کے ایندھن یا کمپیوٹر کے حساس نظام کے ذریعہ چلتے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

چوتھی جنگ : قسطنطنیہ کی جنگ

قسطنطنیہ ہی آستانہ یا استانبول ہے جو ترکی میں واقع ہے۔ وہ خلافت عثمانیہ کا دارالخلافہ تھا حتیٰ کہ نو آبادیاتی نظام کے ایجنٹ کمال اتاترک نے آکر اس صدی کے آغاز میں خلافت اسلامیہ کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ لادینی نظام قائم کر دیا۔ اس نے بڑھیا چیز کو گھٹیا سے بدل دیا۔ جو کچھ بھی کیا برا کیا۔ وہ دن اور آج کا دن ترکی اسلام اور اس کی تعلیمات سے مسلسل پیچھے ہٹ رہا ہے اور تیزی سے لادینیت کی چکنی اور سپاٹ زمین کی طرف لڑھک رہا ہے حتیٰ کہ اس نے دشمن یہودیوں کے ساتھ عسکری تعاون اور مشترکہ دفاع کا پیمان باندھ کر عرب مسلمانوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے {۳۳} بلکہ جنگی مشقوں کے لئے یہودی جہازوں کو اپنی فضا استعمال کرنے کی اجازت کا اعلان اس قدر بے حیائی اور سرد مہری سے کیا ہے کہ انسان اپنے لہو کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کے شعائرِ اسلام کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ ابھی اس ناپسندیدہ گٹھ جوڑ پر ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ ترکی حکومت نے ترکوں کی روایتی ڈھٹائی سے کام لے کر دجلہ اور فرات کے پانی کے مسئلہ پر اپنے موقف پر اصرار شروع کر دیا ہے اور اعلان کر دیا ہے کہ پڑوسی مسلمان ملکوں کو یہ پانی استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں، اور ترکی سے اپنے حصے کے پانی کا مطالبہ ایسا ہی ہے جیسا ریڈ انڈین نے امریکہ کی اس سرزمین میں اپنے حقوق کا مطالبہ کیا ہے جو امریکہ نے ظلم و جبر کی بناء پر ان سے چھین رکھی ہے۔

آنے والے دن ترکی کے اصل چہرے سے نقاب اٹھا دیں گے اور اس وقت ہم کہیں گے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔ پھر وہ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔ کیوں نہیں وہ اسے فتح کرنے کے زیادہ اہل ہیں۔

قسطنطنیہ کی فتح کیونکر مکمل ہو گی؟ : یہ وہ فتح ہے جس کے بعد مسیح دجال کا خروج ہو گا۔ لڑائی تلواروں اور نیزوں سے نہیں ہو گی بلکہ فتح کی تکمیل تہلیل و تکبیر سے ہو گی۔ امام

جنگ جنگی اہمیت کے ان ہتھیاروں کو یا تو بے کار کر دے گی یا تباہ کر دے گی جو پٹرول کے ایندھن یا کمپیوٹر کے حساس نظام کے ذریعہ چلتے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

چوتھی جنگ : قسطنطنیہ کی جنگ

قسطنطنیہ ہی آستانہ یا استانبول ہے جو ترکی میں واقع ہے۔ وہ خلافت عثمانیہ کا دارالخلافہ تھا حتیٰ کہ نو آبادیاتی نظام کے ایجنٹ کمال اتاترک نے آکر اس صدی کے آغاز میں خلافت اسلامیہ کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ لادینی نظام قائم کر دیا۔ اس نے بڑھیا چیز کو گھٹیا سے بدل دیا۔ جو کچھ بھی کیا برا کیا۔ وہ دن اور آج کا دن ترکی اسلام اور اس کی تعلیمات سے مسلسل پیچھے ہٹ رہا ہے اور تیزی سے لادینیت کی چکنی اور سپاٹ زمین کی طرف لڑھک رہا ہے حتیٰ کہ اس نے دشمن یہودیوں کے ساتھ عسکری تعاون اور مشترکہ دفاع کا پیمان باندھ کر عرب مسلمانوں کو حیرت زدہ کر دیا ہے {۳۴} بلکہ جنگی مشقوں کے لئے یہودی جہازوں کو اپنی فضا استعمال کرنے کی اجازت کا اعلان اس قدر بے حیائی اور سرد مہری سے کیا ہے کہ انسان اپنے لہو کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کے شعائر اسلام کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ ابھی اس ناپسندیدہ گٹھ جوڑ پر ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ ترکی حکومت نے ترکوں کی روایتی ڈھٹائی سے کام لے کر دجلہ اور فرات کے پانی کے مسئلہ پر اپنے موقف پر اصرار شروع کر دیا ہے اور اعلان کر دیا ہے کہ پڑوسی مسلمان ملکوں کو یہ پانی استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں، اور ترکی سے اپنے حصے کے پانی کا مطالبہ ایسا ہی ہے جیسا ریڈ انڈین نے امریکہ کی اس سرزمین میں اپنے حقوق کا مطالبہ کیا ہے جو امریکہ نے ظلم و جبر کی بناء پر ان سے چھین رکھی ہے۔

آنے والے دن ترکی کے اصل چہرے سے نقاب اٹھا دیں گے اور اس وقت ہم کہیں گے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔ پھر وہ قسطنطنیہ فتح کریں گے۔ کیوں نہیں وہ اسے فتح کرنے کے زیادہ اہل ہیں۔

<u>قسطنطنیہ کی فتح کیونکر مکمل ہو گی؟</u> : یہ وہ فتح ہے جس کے بعد مسیح دجال کا خروج ہو گا۔ لڑائی تلواروں اور نیزوں سے نہیں ہو گی بلکہ فتح کی تکمیل تہلیل و تکبیر سے ہو گی۔ امام

مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "تم نے اس شہر کے متعلق کچھ سنا ہے جس کا ایک حصہ خشکی پر اور دوسرا حصہ سمندر میں ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک اسحاق کی اولاد میں سے ۷۰ ہزار سپاہی اس پر چڑھائی نہ کر دیں گے۔ جب وہ اس شہر میں آکر پڑاؤ ڈالیں گے تو وہ نہ تو ہتھیاروں سے لڑیں گے اور نہ ہی تیر اندازی کریں گے۔ وہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کا ورد کریں گے تو ایک حصے کو شکست ہو جائے گی۔ (حدیث کا راوی ثور کہتا ہے میرے علم کے مطابق آپؐ نے فرمایا کہ "سمندر والا حصہ شکست کھا جائے گا") پھر وہ دوسری مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہیں گے تو دوسرا حصہ مغلوب ہو جائے گا۔ پھر وہ تیسری مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کا ورد کریں گے تو شہر کو ان کے لئے کھول دیا جائے گا اور وہ اس میں داخل ہو جائیں گے۔ اس دوران جبکہ وہ مال غنیمت بانٹ رہے ہوں گے ان کو ایک چیخ سنائی دے گی کہ دجال کا خروج ہو گیا ہے۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ لوٹ جائیں گے"{۳۴}

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "اسحاق کی اولاد میں سے ۷۰ ہزار" غور طلب ہے۔ قاضی کا قول ہے صحیح مسلم کے تمام نسخوں میں "من بنی اسحاق" (اسحاق کی اولاد) کے الفاظ لکھے ہیں۔ یہ شہر بھی قسطنطنیہ ہے{۳۵}۔

بنو اسحاق سے مراد اہل روم ہیں جو عیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیلؑ کی نسل سے ہیں وہ بنی اسرائیل یعنی یعقوب بن اسحاق کے چچا کی اولاد ہیں۔

حدیث میں جس اولاد اسحاق کا ذکر ہے وہ اہل روم ہیں جو ہرمجدون کے معرکہ کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔

حافظ ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رومی آخری زمانہ میں مسلمان ہو جائیں گے اور غالباً انہی کی ایک جماعت کے ہاتھوں قسطنطنیہ فتح ہو گا' جیسا کہ سابقہ حدیث میں اس کا بیان ہے{۳۶}

پانچویں جنگ : یہودیوں سے جنگ

(زیادہ درست بات تو یہ ہے کہ ایک تہائی یہودیوں سے جنگ) کیونکہ دو تہائی یہودی

ہرمجدون {۳۷} کے معرکہ میں اس قدر بری طرح ہلاک ہو جائیں گے کہ باقی ماندہ یہودیوں کو اس معرکہ میں مرنے والے سپاہیوں کے دفن کے لئے سات ماہ درکار ہوں گے۔

سفر حزقیال میں ہے "اسرائیل کے گھرانے کو اپنے مردوں کو دفن کرتے کرتے سات ماہ گزر جائیں گے تب کہیں جاکر زمین صاف ہوگی"{۳۸}

دو تہائی یہودی تو ہرمجدون کے معرکہ میں ہلاک ہو جائیں گے اور باقی ایک تہائی کی ہلاکت کا کام مسلمان مہدی کی قیادت میں سرانجام دیں گے۔ یہ سب اس وقت ہوگا جب مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کر لیں گے اور جب یہودیوں کے ملعون بادشاہ دجال کا ظہور ہو جائے گا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہودی اپنے مخلص مسیحا یا اپنے اس نابغہ روزگار بادشاہ کی آس لگائے بیٹھے ہیں جو ان کو بقول ان کے فاسد اقوام سے نجات دلائے گا (ان اقوام سے مراد یہودیوں کے علاوہ زمین کے باسی ہیں) ان کا اعتقاد ہے کہ اس کا ظہور ۲۰۰۰ء سے پہلے ہوگا۔{۳۹}

اہل کتاب کی بعض تحقیقات نے اس مدت کا تعین اپریل ۱۹۹۸ء میں کیا ہے۔ اس موضوع پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔ جب دجال کا ظہور اللہ کے مقرر کردہ وقت میں ہوگا اور وہ چالیس روز تک زمین میں گھوم پھرے گا ـــــ یہ ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک ماہ کے برابر اور ایک دن جمعہ (ایک ہفتہ) کے برابر ہوگا اور اس کے باقی دن ہمارے دنوں کی طرح ہوں گے، جیسا کہ ان شاء اللہ ہم اگلے باب میں اس کی تفصیل بیان کریں گے ـــــ تو اس وقت عیسیٰ کا نزول آسمان سے ہوگا۔ وہ دجال کو قتل کریں گے، اور اس کے پیروکاروں کو، جو سب کے سب یہودی ہوں گے، شکست دیں گے۔ وہ بھاگ کر مسلمانوں کے ڈر سے درختوں اور پتھروں کے پیچھے چھپ جائیں گے۔ شجر و حجر بھی ان کا پتہ بتادیں گے اور ان کی چغلی کھائیں گے کیونکہ وہ بھی ان کے کفر کی بدبو اور انبیاء کے ناحق قتل سے بیزار ہوں گے اور کیونکہ ان کے ہاتھ بے گناہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں

کے خون سے لتھڑے ہوئے ہوں گے {۴۰} کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ شجر و حجر آوازیں دیں گے اور ان کی آواز سنائی دے گی : اے مسلمان! "اے اللہ کے بندے! اے توحید پرست! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے' آؤ اسے قتل کر دو"۔ صرف غرقد کا درخت آواز نہیں دے گا {۴۱} کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔ سبحان اللہ!

عیسیٰؑ کے نزول اور دجال کو قتل کرنے کے بعد یہودیوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل عام ہو گا۔ احمد نے جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا :

"...حتیٰ کہ شجر و حجر آواز دیں گے کہ یہ رہا یہودی' اور عیسیٰؑ دجال کے پیروکاروں میں سے ہر ایک کو قتل کر دیں گے"۔ {۴۲}

اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہودیوں اور مسلمانوں کی براہ راست جنگ ختم ہو چکی ہے کیونکہ دنیا ان دنوں صلح عام کے مرحلہ سے گزر رہی ہے۔ وہ صلح عام جو ہر مجدون کے معرکہ سے پہلے ہو گی اور جس میں یہودیوں کی اکثریت تباہ ہو جائے گی' پھر عیسیٰ بن مریم کے زمانہ میں باقی یہودی مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ ہو جائیں گے۔ زمین ان کے فتنہ و فساد اور مکر و فریب سے پاک ہو جائے گی۔ عنقریب شجر و حجر بول اٹھیں گے۔ بجوبات کے زمانہ میں یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ ہو گی کیونکہ اس زمانہ میں دجال کا خروج اور عیسیٰؑ کا نزول ہو گا اور یاجوج ماجوج لوگوں کے خلاف نکلیں گے اور پوری روئے زمین آخری لمحے کے لئے تیار ہو جائے گی۔

یہودی جس قدر چاہیں اکٹھے ہو جائیں' جو نو آبادیاں چاہیں تعمیر کر لیں اور جس قدر معاہدے چاہیں توڑ لیں اور جس قدر خرمستیاں چاہیں کر لیں' کیونکہ خوفناک انجام کا سایہ قریب ہے۔ اس نے ان کو گھیرے میں لے لیا ہے اور سچ فرمایا ہے اللہ نے "پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے" (الاسراء : ۱۰۴)

مہدی کی دوسری جنگیں

اس کے بعد مسلمان روئے زمین پر باقی بچنے والے کافروں کو قتل کر دیں گے' کیونکہ عنقریب عیسیٰؑ کا نزول ہو گا' وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ

عائد کر دیں گے۔ اسلام اور تلوار میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ یہ جنگیں زیادہ تر آسان ہوں گی اور مسلمان اٹلی کے دارالخلافہ روم کو فتح کر لیں گے۔ مسلمان خوز و کرمان سے لڑیں گے (ان کو ترک بھی کہتے ہیں) وہ یاجوج ماجوج کے چچازاد ہیں اور اس زمانے میں ان سے مراد چین، روس، جاپان اور منگولیا وغیرہ کے رہنے والے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اس قدر صحیح اور کامل اوصاف بیان کئے ہیں کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ نے انہیں آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا "تم خوزستان اور کرمان سے جنگ کرو گے۔ ان کے چہرے سرخ، ناک بیٹھی ہوئی اور آنکھیں چھوٹی ہوں گی، ان کے چہرے چوڑے ہوں گے، یوں معلوم ہو گا کہ وہ ہتھوڑے سے کوٹی ہوئی گول ڈھالیں ہیں۔ وہ بالوں کے جوتے اور بالوں کے کپڑے پہنتے ہیں۔

اُس وقت اس اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے گا جو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، یہ کہ اسلام معمورۂ ہستی کے گوشے گوشے میں پھیل جائے گا، تمام ملتوں میں سے ملت اسلام باقی رہے گی اور کافروں کی جڑ کٹ جائے گی۔ وہ حمد و ثنا کا سزاوار سارے جہان کا پالنہار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے :

﴿ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (الصف : ۹)

"وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرک ناخوش ہی کیوں نہ ہوں"۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اس اسلام کا معاملہ وہاں پہنچے گا جہاں لیل و نہار پہنچتے ہیں۔ شہر اور گاؤں کا کوئی گھر ایسا نہیں بچے گا جس میں اللہ اس دین کو باعزت طریقے سے یا دشمنوں کو ذلیل کر کے داخل نہ کر دے۔ عزت بھی ایسی عزت جو اللہ صرف دین اسلام کو عطا کرتا ہے اور ذلت بھی ایسی ذلت جو اللہ نے کفر کے لئے خاص کی ہے"{۴۳}

مسند احمد میں مقداد بن اسود سے روایت ہے کہ "روئے زمین پر کوئی مٹی کا گھریا بالوں کا خیمہ ایسا نہیں بچے گا جس میں کلمہ اسلام داخل نہ ہو جائے"۔

حواشی

{۱} عِیث : "ب" کی زیر کے ساتھ۔ یعنی آپؐ کے جسد مبارک میں حرکت ہوئی یا آپؐ نے اطراف جسم کو اس طرح حرکت دی جیسے کوئی آدمی کسی چیز کو پکڑنے یا دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے۔

{۲} بخاری نے کتاب البیوع' باب ماذکر فی الاسواق میں روایت کیا ہے۔ مسلم نے کتاب الفتن' باب الحنف بالجیش الذی یوم البیت میں روایت کیا ہے۔ الفاظ اسی کے ہیں۔

{۳} مسلم نے ام سلمہ کی روایت سے کتاب الفتن واشراط الساعۃ میں نقل کیا ہے۔ نعیم نے حماد سے اور اس نے عمروؓ بن عاص سے روایت کیا ہے۔ (اس نے کہا) خروج مہدی کی علامت ہے' جب جنگل میں لشکر دھنس جائے گا۔ قرطبی نے "التذکرۃ" کے باب "آخری زمانہ میں آنے والے خلیفہ یعنی مہدی کے خروج کی علامت" میں کہا ہے کہ یہ دھنسنے والی فوج مکہ سے باہر مہدی سے جنگ کے لئے جمع ہوگی۔

{۴} مسلم نے صحیح میں کتاب الفتن واشراط الساعۃ میں ام المومنین حفصہؓ سے روایت کی ہے۔

{۵} مسلم نے کتاب الفتن میں ام المومنین حفصہؓ سے روایت کی ہے۔ احمد' نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

{۶} صحیح حدیث کا ٹکڑا ہے' جسے احمد نے مسند میں' ابوداؤد الطیالسی نے مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے۔ شیخ احمد شاکر اور البانی نے الصحیحہ نمبر ۵۷۹ میں اسے صحیح گردانا ہے۔

{۷} احمد نے مسند میں ام سلمہؓ سے اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں کہا ہے کہ سند میں علی بن زید ہے' حدیث میں حسن ہے مگر ضعیف ہے۔ اس نے یہی روایت حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

{۸} دجال پر تفصیلی بات ان شاء اللہ اگلے باب میں ہوگی۔

{۹} اس موضوع پر تفصیل پانچویں باب میں بیان ہوگی : علامات الساعۃ الکبری

{۱۰} الرکن' حجر اسود اور مقام ابراہیم

{۱۱} کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد اہل بدر کی طرح ۳۱۳ ہوگی۔ مگر ہم صحیح آثار پر اعتماد کرتے ہوئے

کہتے ہیں کہ ان کی تعداد کم ہوگی۔ واللہ اعلم

{۱۲} پہلی جلد ذکر مہدی کی فصل

{۱۳} التذکرۃ للقرطبی **باب** "مہدی کا خروج کہاں سے ہوگا اور خروج کی علامت کیا ہوگی"

{۱۴} تیسری فصل میں حدیث کی تخریج ہو چکی ہے۔

{۱۵} مہدی کی جنگوں کے بارے میں اگلی فصل میں ہم اس بات کے مزید ثبوت پیش کریں گے کہ ہر مجدون کے معرکہ میں بہت سا تباہ کن اسلحہ یا تو تباہ ہو جائے گا یا بے کار۔ اس کے بعد کی جنگوں میں پھر سے تلواروں، نیزوں اور گھوڑوں کا نام سنا جائے گا۔

{۱۶} مسلم نے نافع بن عتبہ سے روایت کیا ہے۔ احمد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

{۱۷} صحیح ہے۔ اسے احمد اور ابو داؤد نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے اور البانی نے اسے صحیح الجامع میں صحیح گردانا ہے۔

{۱۸} مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

{۱۹} بخاری نے صحیح میں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

{۲۰} صحیح ہے۔ احمد اور دارمی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ حاکم اور اس کے ساتھ ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ البانی کا قول ہے : جیسا کہ ان دونوں نے کہا وہ صحیح ہے۔

{۲۱} قرطبی نے "التذکرہ" میں ذکر کیا ہے کہ مہدی، سفیانی اور اس کے بنو کلب کے ساتھیوں کو قتل کردے گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے وہ آدمی قرشی ہوگا۔

{۲۲} مجھے معلوم ہوا ہے کہ کویت کے امیر اپنے آپ کو قبیلہ کلب سے منسوب کرتے ہیں۔ کسی بھائی نے یہ بات بتائی ہے، اللہ بہتر جانتا ہے۔

{۲۳} شیعوں کے ۱۸ فرقوں میں سے ایک فرقہ امامیہ یا اثنا عشریہ امام غائب یا مہدی کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ بارہویں امام محمد بن الحسن العسکری ہیں جن کے متعلق ان کا گمان ہے کہ وہ بچپن میں سامراء کے ایک تہہ خانے میں روپوش ہو گئے۔ وہ کئی سو سال سے ان کے خروج کے منتظر ہیں۔

{۲۴} اس حدیث کا جزو ہے جو بخاری نے عوف بن مالک سے روایت کی ہے۔ اوپر یہ حدیث گزر چکی ہے۔

{۲۵} مدینہ کے گرد و نواح میں ایک جگہ کا نام اعماق ہے اور دابق مدینہ کے ایک بازار کا نام ہے۔

یاقوت کہتا ہے کہ دابق حلب کے ایک گاؤں کا نام ہے اور اعماق دابق کے نزدیک حلب اور انطاکیہ کے درمیان ایک ضلع ہے۔

{۲۶} یعنی معرکہ سے بھاگ جائیں گے اور اس وقت مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ جائیں گے جب ان کو سخت ضرورت ہوگی۔

{۲۷} بیدہ یعنی عیسیٰؑ کے ہاتھوں ان کے نیزے سے

{۲۸} مسلم کی روایت کتاب الفتن واشراط الساعۃ

{۲۹} الشُرطہ : شین کی پیش کے ساتھ یعنی فوج کا پہلا دستہ جو میدان جنگ میں آئے۔ نووی نے مسلم کی شرح میں یہ لکھا ہے۔

{۳۰} مسلم نے صحیح میں جابرؓ سے روایت کی ہے۔

{۳۱} دمشق نے اس عالمی سربراہ کانفرنس (Peace Makers) میں شمولیت سے انکار کر دیا تھا جو اپریل ۱۹۹۶ء میں شرم الشیخ میں منعقد ہوئی۔ ان دنوں اخباروں میں "دمشق اور امریکا کا باہمی اختلاف" جیسے عنوان ہمارے مطالعے میں آئے۔ امریکا نے سوریا کو دہشت گرد حکومتوں کی فہرست میں شمار کر لیا تھا۔ ہم تو یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اے اللہ کے رسولؐ تو نے سچ کہا کہ جلد ہی اہل روم اعماق اور دابق کے مقام پر پڑاؤ ڈالیں گے۔

{۳۲} یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے احمد' ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ البانی نے صحیح الجامع الصغیر میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی تخریج اوپر گزر چکی ہے۔

{۳۳} یہ ترکی اسرائیل معاہدہ اپریل ۱۹۹۶ء میں ہوا۔

{۳۴} مسلم نے کتاب الفتن واشراط الساعۃ میں اسے روایت کیا ہے۔

{۳۵} حدیث سابق پر امام نووی کی شرح مسلم دیکھئے۔

{۳۶} ابن کثیر کی "الفتن والملاحم" باب "رومیوں کے ساتھ اس معرکہ کا تذکرہ جس کے بعد قسطنطنیہ فتح ہو گا"۔

{۳۷} ان کے اسفار اور تلمود میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ زکریا ۱۳:۸۹۔ حزقیال ۱۲:۳۹ اور دیکھئے کتاب "النبوۃ والسیاسہ" ص ۴۵

{۳۸} دیکھئے النبوۃ والسیاسہ' ص ۴۶

[باقی حواشی اگلی قسط کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے

فکرِ عجم

علّامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۳)

ڈاکٹر ابو معاذ

ساسانی عہد کی اہم خصوصیات اور اسلامی تہذیب پر انکے اثرات

عہد ساسانی میں ایران دنیا کی ایک طاقتور ترین سلطنت کی صورت میں ابھرا۔ سلطنت فارس کی حدود پنجاب، کشمیر، شمالی ہند، بلوچستان، موجودہ افغانستان، مشرق وسطی، مشرقی چین، وسطی ایشیاء، قفقاز، جزیرہ نمائے عرب، ایشیائے کوچک، سواحل بحیرۂ روم، مصر، قبرص اور دیگر جزائر بحیرۂ روم تک پہنچ گئیں۔ تہذیب وتمدن کے اعتبار سے عظیم شہر مثلاً طوس، رے، صفاہان (سپاہان)، طیسفون، مدائن، نیشاپور اور شیراز وجود میں آئے۔ مشرق و مغرب کے مابین تجارت کو فروغ ہوا۔ مذہبی اعتبار سے دین زرتشت قدرے تحریف کے ساتھ زندہ رہا۔ رفتہ رفتہ اس میں آتش پرستی، مہرپرستی، ناہید پرستی اور مظاہر پرستی کے عناصر شامل ہوئے۔ مقبوضات فارس میں عیسائیت کی ترویج، یہودیوں کی آباد کاری اور سفر، بدھ مت کے پیروکاروں کا شمال مشرقی خطوں میں فروغ، ہندی مقبوضات میں ہندو مت کا احیاء، جین مذہب کی تشکیل، ایران میں مانوی مذہب کی ابتداء اور خاتمہ، مزدکیت کا عروج و زوال اور چینی نظریات کی ایران میں آمد ایسے واقعات ہیں جنھوں نے اہل مشرق پہ اپنے گہرے فکری نقوش چھوڑے ہیں۔ فلسفہ اخلاق اور فلسفہ و افکار کی ایران میں جو بوقلمون صورت ابھری وہ ایشیاء کے وسیع حصہ پر بلکہ مشرقی یورپ پر صدیوں تک حاوی رہی ہے۔ بعض مورخین رقم طراز ہیں کہ ہرچند اسلام نے جنگی اعتبار سے سلطنت فارس کو شکست سے دوچار کر دیا تھا لیکن فکری اور تہذیبی اعتبار سے ایرانیت بہرحال زندہ رہی ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ اسلام کی آمد نے اسے ایک نئی زندگی بخش دی۔ اسلام نے ایرانی تہذیب وتمدن، زبان وادب، قانون و دستور اور فلسفہ کے ان اجزاء کو جو اسلامی افکار اور روح سے متصادم نہیں تھے، یکسر ختم نہیں کیا بلکہ انہیں اپنا

رنگ دے کر ان کی ترویج کا سامان مہیا کیا۔ بقول اقبال ؎

اندریں راہ جز نگاہ مطلوب نیست
ایں کلاہ یا آں کلاہ مطلوب نیست

(علم و ترقی کی راہ میں ماسوائے نظر کی پختگی اور گہرائی کے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ٹوپی یا وہ ٹوپی پہننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔)

اسلام نے حکمت و دانائی کو مومن کی میراث قرار دے کر جہاں سے ملے اسے پالینے کی تلقین کی ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں ایک مصرعہ میں قرآنی آیت اور دوسرے میں ایک حدیث کا مفہوم سمو کر کس خوبصورتی سے فرمایا ہے :

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر
ہر کجا ایں خیر می بینی بگیر

(خدا نے دانائی کو بے اندازہ خیر و خوبی قرار دیا ہے۔ جہاں سے یہ خیر و خوبی مل سکے اسے لے لیں۔)

بدقسمتی سے عجم کے وہ خیالات جو روحِ اسلامی کے منافی بھی تھے وہ بھی کسی نہ کسی طرح زندہ رہ گئے اور کچھ ایسے ہی افکار و رسوم نے اسلام پر منفی اثرات بھی مرتب کئے۔ تصوف میں کچھ مانوی اور زرتشتی عقائد بھی شامل ہو گئے جنہوں نے کسی نہ کسی طرح حلقہ صوفیاء میں بددلی 'سکوت اور جمود کا عنصر شامل کر دیا' بقول اقبال ؎

تاثیرِ غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے

اسی طرح ایک اور موقع پر فرماتے ہیں ؎

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حرّیتِ افکار کی نعمت ہے خداداد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدۂ پارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد!

لیکن عرب و عجم کے امتزاج کے مثبت پہلو بھی سامنے آتے ہیں ؎

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز

آپ نے عربی جوش وجذبہ میں عجم کی خیال آفرینی اور تدبر کو جب دین مبین اسلام کے رنگ میں ڈوب کر ایک عظیم وحدت میں جذب ہوتے دیکھا تو آپ نے یورپ کی فکری وجذباتی محرومی پہ دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ؎

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے
حرم کا رازِ توحیدِ امم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب
کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے

اب ہم عجم کے ساسانی دور کے ان عناصر کا ذکر کریں گے جو بعد میں ہم پر اثر انداز ہوئے اور اس عمل کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

ساسانی عہد کا زرتشتی مذہب

توحید اور ثنویت : ہرچند کہ زرتشتی مذہب کا آغاز اھورامزدا کی پرستش سے ہوا تھا اور ایک عظیم ہستی برتر کا تصور تھا جو خالق ارض وسماء ہے اور ایرانی ذہن کبھی بھی بت پرستی کی جانب مائل نہیں ہو سکا، مگر بعد میں خدائے نیکی (یزدان) اور اہرمن (شیطان) کا تصور غالب آتا چلا گیا۔ نہ صرف ازل تا ابد نیکی اور بدی کی قوتوں کا مسلسل برسرپیکار رہنا ہمارے افکار میں در کر آیا بلکہ خداوند تعالیٰ کو یزدان اور ابلیس کو اہرمن قرار دے کر اس نظریہ کو مشرف بہ اسلام کر لیا گیا۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نظر سے ابلیس ایک راندۂ درگاہ خداوندی ہے۔ وہ آگ سے تخلیق کیا گیا ہے اور خدا کی نافرمانی کے بعد مردود قرار پایا ہے۔ اس نے قیامت تک انسان کو گمراہ کرنے کی مہلت مانگی ہے، وہ کسی بھی طرح شر یا تباہی کا خالق نہیں ہے۔ خیر و شر کی صلاحیت انسان کے اپنے اندر ہے اور اسے خیر کا راستہ دکھانے کیلئے خداوند تعالیٰ نے انبیاء کو نازل فرمایا ہے۔ ہمیں بعد از اسلام کے عجمی لٹریچر میں اہرمن کی جاندار اور خوفناک شخصیت نظر آتی ہے جو خالصتاً اسلامی نظریات سے کسی

حد تک مختلف ہے۔ علامہ اقبال اپنی شاہکار کتاب جاوید نامہ میں جہاں ابلیس کو "خواجۂ اہلِ فراق" کہہ کر الگ سے زیر بحث لائے ہیں وہاں "طاسینِ زرتشت" کے عنوان سے اہرمن اور زرتشت کا مکالمہ خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ یہاں پر اہرمن کو اسی طاقت اور شان و تمکنت سے پیش کیا گیا ہے جو زرتشتی عقائد کے قریب تر ہے لیکن اس مکالمہ سے جو مطلب اخذ فرمایا ہے وہ روح اسلامی کے قالب میں ڈھلا ہوا ہے۔ یہاں پر زرتشت کو بھی پیغمبروں کے نمائندہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اہرمن کہتا ہے :

از تو مخلوقاتِ من نالاں چو نے
از تو مارا فرودیں مانندِ دے
در جہاں خوار و زبونم کردہ ای
نقشِ خود رنگیں زخونم کردہ ای
زندہ حق از جلوۂ سینائے تست
مرگِ من اندر یدِ بیضائے تست

(تیری وجہ سے میری مخلوقات بنسری کی طرح مسلسل رو رہی ہیں۔ تیری وجہ سے میری بہاریں سخت سردی کے باعث اجڑ چکی ہیں۔ اس جہاں میں تو نے مجھے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا ہے اور میرے خون سے اپنی زندگی پالی ہے۔ طور سینا پہ تیرے جلوؤں نے حق کو زندہ کر دیا ہے اور میری موت تیرے یدِ بیضا میں چھپی ہوئی ہے۔)

پھر کہا ہے ۔

تکیہ بر میثاقِ یزداں ابلہی است
بر مرادش راہ رفتن گمرہی است

(نعوذ باللہ! یزداں کے وعدوں پر تکیہ کر لینا بیوقوفی ہے اور اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے والوں نے کبھی منزل نہیں پائی۔)

پھر پیغمبروں یعنی حضرت شیث، حضرت ایوب اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر آنے والی سختیوں کا ذکر کیا ہے اور حضرت نوحؑ کی صدیوں کی مجبوریوں کی جانب اشارہ کر کے خلوت نشینی اور رہبانیت کا درس دیتے ہوئے کہا ہے ۔

خیز و در کاشانۂ وحدت نشین!
ترکِ جلوت گیر و در خلوت نشین

(اٹھ اور وحدت کے مقام پر بیٹھ جا۔ تنہائی اختیار کر لے اور لوگوں کی مجلس سے اجتناب کر لے۔)

اس کا جواب زرتشت نے کچھ اس انداز سے دیا ہے ؎

نور دریائے است ظلمت ساحلش
ہم چو من سیلے نزاد اندر دلش
اندر و نم موجہای بے قرار
سیل را جُز غارتِ ساحل چہ کار؟
نقش بیرنگے کہ او را کس ندید
جز بخونِ اہرمن نتواں کشید!
خویشتن را آزمودن زندگی است
ضربِ خود را آزمودن زندگی است

(روشنی ایک سمندر ہے اور تاریکی اس کا ساحل۔ اس روشنیوں کے سمندر کے دل سے میرے جیسا کوئی طوفان جنم نہیں لے سکا۔ مجھ میں بے قرار لہریں جوش مار رہی ہیں اور طوفان کا ایک ہی کام ہے اور وہ یہ ہے کہ ساحل کو تباہ کر کے رکھ دے۔ وحدت یعنی رنگوں کے چکر سے باہر آنا اسی وقت ممکن ہے جب اہرمن کے خون سے امن کی شراب کشید کی جائے۔ اسی امتحان کا نام زندگی ہے اور اپنی ضرب کو آزمانے کا نام ہی زندگی ہے۔)

پھر یہ کہتے ہوئے کہ پیغمبروں پر آنے والی آزمائشیں ان کے لئے باعث رحمت ہیں اور خلوت انسان کی تربیت کے لئے ہر چند کہ ضروری ہے مگر اسے ہمیشہ کے لئے اختیار نہ کیا جائے' آخر میں کہا ہے ؎

گرچہ اندر خلوت و جلوت خدا ست
خلوت آغازست و جلوت انتہاست

گفتہ ای پیغمبری دردِ سر است
عشق چوں کامل شود آدم گر است
راہِ حق با کارواں رفتن خوش است
ہمچو جاں اندر جہاں رفتن خوش است

(اگرچہ خلوت اور جلوت دونوں میں خدا ملتا ہے مگر خلوت سفر کی ابتدا ہے اور جلوت اس کی انتہا ہے۔ تو نے کہا ہے کہ پیغمبری دردِ سر ہے لیکن جب عشق اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے تو وہیں سے انسانیت کی تعمیر کا مشن شروع ہو جاتا ہے۔ حق کی راہ پر قافلے کے ہمراہ چلنے کے اپنے مزے ہیں۔ کائنات میں روح کی طرح سفر کرنے کے اپنے ہی مزے ہیں۔)

یزداں و اہرمن کی کشمکش اور زرتشتی روح کی بے چینی ہمیں بعد از اسلام کے ادب و شعر میں ہر جگہ نظر آئے گی۔ یہ کشمکش اسی جذبہ کو جنم دیتی ہے جو جہدِ پیہم، سعی و عمل اور جستجو کے لئے انسانی طبیعت کو اکساتا ہے۔ تحرک، جدل اور بے سکونی انسان کو کوشش اور مقصدیت پر مائل کرتی ہے۔ بقول رومیؒ :

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمی فارغ مباش

(اس راستے میں توڑ پھوڑ کرتے رہو اور آخری دم تک ایک لمحے بھر کے لئے بھی فارغ مت بیٹھو۔)

آگ کا تصور

زرتشتی عقائد میں آگ کو خدا تو نہیں مانا گیا مگر اس کے تقدس کو تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ یہ عنصر گرمی و روشنی اور تحرک کا منبع سمجھا جاتا تھا۔ اس کو ساسانی دور میں روشن رکھنا ضروری تصور کر لیا جاتا تھا اور ان کی تمام عبادت گاہیں آتش کدوں کا روپ دھار چکی تھیں۔ ہر مقام پر آگ کی انگیٹھیاں نصب کی جاتی تھیں اور ان میں صندل کی لکڑیاں، گھی، عود و لوبان اور حسب استطاعت دیگر سوختنی اشیاء ڈالی جاتی تھیں۔ یہ آگ مسلسل روشن رہتی۔ اسی وجہ سے ایرانیوں کو آتش پرست تصور کیا جانے لگا حالانکہ وہ

اھورامزدا (خدائے برتر) کے پرستار تھے۔

قرآن پاک میں آگ کا ذکر اکثر مقامات پہ جہنم کی آگ کے سلسلے میں آیا ہے، یا پھر نارِ نمرود کے ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے جسے تلمیح کے طور پر علامہ اقبال نے بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان فرمایا ہے ؎

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ

قرآن حکیم میں ایک مقام پر آگ کو روشنی کے منبع کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ۝ ﴾ (البقرہ : ۱۷)

"ان کی مثال اِس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔ پھر جب اس آگ کی روشنی نے اردگرد کو روشن کر دیا تو خدا نے اس کا نور زائل کر دیا اور وہ اندھیروں میں رہ گئے اور کچھ دیکھنے سے قاصر ہو گئے۔"

تاہم روشنی اور نور کا ذکر قرآن پاک میں مختلف معانی میں آیا ہے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت سورہ طٰہٰ میں اس آگ کا ذکر آتا ہے جو آپ نے طور پر دیکھی تھی اور جو آپ کے لئے نشانِ منزل بن گئی تھی۔ فرمایا :

﴿ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۝ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ ﴾

"کیا تمہیں موسیٰ کی داستان پہنچی ہے؟ جب اس نے آگ کو دیکھا تو اپنی بیوی سے کہا کہ یہاں ٹھہرو میں وہاں سے یا تو انگارے لے کے آتا ہوں یا پھر یہ آگ کی روشنی میرے لئے رہنمائی کا سبب بن جائے گی۔"

یہاں پہ موسیٰ نے آگ کی روشنی سے رہنمائی کا تصور کیا اور بقول اقبال :

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

آگ کا تصور ایرانی مفکرین کے ہاں ہمیشہ روشنی، گرمی، زندگی کی تمازت، چمک دمک، توانائی اور عظمت کے معانی میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں :

آتشِ عشق است کاندر نے فتاد
جوششِ عشق است کاندر مے فتاد

(عشق کی آگ بنسری میں آپڑی تو اس کی لے میں ڈھل گئی اور عشق کا جوش تھا جو شراب میں آپڑا)

آتش است ایں بانگِ نے و نیست باد
ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

(یہ بنسری کی آواز آگ ہے اور ہوا نہیں ہے، جس ہوا میں یہ آگ نہیں ہے وہ بھی بیکار ہے)

یہاں پر تو بانسری کی لے کو مولانا نے روح کے مفہوم میں بیان کیا ہے۔ وحدت الوجود کے ضمن میں بھی آگ کی مثال لاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

زانکہ آہن محوِ رنگِ آتش است
زآتشی می لافد و آتش وش است

(چونکہ لوہا آگ کے شعلے میں پڑ کر آگ کا رنگ اختیار کرلیتا ہے اس لئے وہ آگ بن جانے پہ فخر کرتا ہے اور وہ آگ ہی دکھائی دیتا ہے)۔

حضرت موسیٰؑ کے جلوۂ طور کو ایرانی خیال آفرینی شمع اور پروانہ کی مثال میں پیش کرنے لگی اور سلوک کی منازل کے تمام فاصلے سمٹا کر اس کو پروانے کے اضطراب اور شمع کے گرد طواف پہ لے آئے۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ؎

آتش آن نیست کہ از شعلۂ آن خندد شمع
آتش آن است کہ بر خرمنِ پروانہ زدند

(آگ وہ نہیں ہے کہ جس کے شعلے سے شمع مسکراتی ہے بلکہ آگ تو وہ ہے جس سے

پروانے کے کھلیان کو جلا دیا گیا ہے۔)

قدیم شعراء تو فی الحقیقت آتش کدے اور زرتشتی تصورات کو آگ کے ضمن میں پیش کرتے رہے ہیں۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔ عسجدی نے کہا ہے

برخیز و بر افروز ھلہ قبلۂ زرتشت

(اٹھ اور جلدی سے زرتشت کے قبلہ یعنی آگ کو روشن کردے)

افضل الدین بدیل خاقانی نے کہا ہے :

اگر قیصر بیگالد رازِ زردشت
کنم تازہ رسوم ژند و اوستا
بگویم کانچہ ژند است وچہ آتش
کزان پاژند وژند آمد مسما
چہ اخگر ماند ازان آتش کہ وقتی
خلیل اللہ در آن افتادہ دروا

(اگر قیصر زردشت کے راز سمجھ لے تو میں ژند اور اوستا کی رسوم کو زندہ کردوں۔ پھر میں بتاؤں کہ کتاب ژند کیا ہے اور آگ کیا ہے اور ژند و پاژند کے کیا معانی ہیں۔ اس آگ میں انگارے کیا باقی رہ سکتے ہیں جس کے دامن میں خلیل اللہ کو ڈال دیا جائے۔)

کسی اور نے کہا ہے :

زردشت کہ آتش را بستاید در ژند
زانست کہ بامے بہ فروغ است ہمانند

(زردشت نے ژند میں آگ کی اس لئے تعریف کی ہے کہ وہ آب و تاب میں شراب کی طرح دکھائی دیتی ہے)

علامہ اقبال کے ہاں آگ اور زرتشت کا ذکر بھی ملتا ہے اور آپ یہ فرماتے ہوئے کہ میرا پیغام آنے والے وقتوں کے لوگوں کے لئے ہے اور میرے بعد میرے کلام کے رموز و معانی لوگوں پہ منکشف ہونگے اس امر کا برملا اظہار کرتے ہیں :

انتظارِ صبح خیزاں می کشم
اے خوشا زرتشتیانِ آتشم

(میں صبح صبح بیدار ہونے والے لوگوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ آفرین ہے میری آگ کے زرتشتیوں پر)

شہنشاہ کی شخصیت کا طلسم

اس میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ ایران میں بادشاہت کے قیام کے بعد شاہ کی ذات کو انسانی اور ملکوتی اوصاف کا مجموعہ قرار دے کر اسے خداوندِ خلّاق (اھورامزدا) کا مظہر اور پرتو قرار دے دیا گیا۔ چونکہ اس کی ذات کا شاہی خاندان کے موروثی نظام کے باعث تعین ہوتا تھا اس لئے شاہی خون کے تقدس کے نظریات بھی مسلّمہ امر کے طور پر قبول کر لئے گئے۔ شاہ کا جلال اور دبدبہ اسی وجہ سے قائم رہ سکتا تھا کہ وہ عوام سے دور رہ کر دربارِ شاہی کی رونقوں میں جلوہ افروز ہو۔ اس کی ذات سے بادشاہت کا مرکز ہونے کے باعث کچھ ایسے تقاضے کئے جاتے تھے جنہیں بہرصورت پورا کیا جانا ضروری تھا۔ ان میں شاہ کا علم و شعور، اس کی دانش اور تدبر اور جرأت و دلاوری لازمی نکلتے تھے۔ جنگ و جدال کے موقع پر شاہ کو عموماً خود میدان میں اترنا ہوتا تھا اور شاہ کی موجودگی ملتِ ایران کے اتحاد کی علامت اور مظہر تھی۔ عوام کی بادشاہ سے وفاداری اور جان نثاری کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ مشہور بادشاہ خسایار شاہ جب یونان و مصر پر قبضہ کے بعد مصر میں کشتی پر سوار ہو کر وطن واپس آ رہا تھا تو وزن کی زیادتی کے باعث ایک موقع پر کشتی ڈگمگانے لگی۔ ملاح نے کہا کہ اگر کچھ لوگ سمندر میں چھلانگ لگا دیں تو شاہ کو بچایا جا سکتا ہے۔ روایات کے مطابق کشتی میں ڈیڑھ سو افراد سوار تھے۔ شاہ نے کہا کہ کون ہے جو اپنے بادشاہ کو بچانے کے لئے سمندر میں کود جائے۔ یہ سنتے ہی بلا حیل و حجت سب نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔

شروع شروع میں روم کے بادشاہ نے سادگی کا شعار اختیار کیا تھا اور عیسائیت قبول کرنے کے بعد بادشاہوں میں میانہ روی اور منکسر المزاجی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے،

لیکن ایرانی دربار میں رومی سفراء کی آمدورفت سے ایرانی دربار کے پروٹوکول اور عظمت کی خبریں روم پہنچی تو وہاں پر بھی ایرانی طریق کار اپنایا جانے لگا۔ دراصل یورپ و مشرق کے درباری آداب ایرانی بادشاہت سے متاثر ہوئے ہیں۔

اسلام کے فروغ کے بعد خاندانی تقدس اور خونی اصالت کا ایرانی نظریہ بالآخر اسلام میں بھی در کر آیا۔ امام زین العابدینؒ کی زبان سے ایرانی کتب میں روایت پائی جاتی ہے کہ میں سب سے نجیب انسان ہوں' ایک طرف میں نواسۂ رسولؐ کا فرزند ہوں اور حضرت علیؓ کا پوتا ہوں تو دوسری طرف میں ایران کے ساسانی شہنشاہ یزدگرد سوم کا نواسہ ہوں۔ اس طرح خاندانِ نبوت اور خاندانِ شہنشاہی کا امتزاج ہوں۔ یہ اصالتِ نسب و خون ہمیں مذہبی نظریات میں بعد کے ادوار میں بھی جلوہ فگن ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔

اسی طرح جب اسلام میں بادشاہت کی طرف میلان ہوا تو خاندان بنی امیہ کے بادشاہوں نے اپنے حساب کتاب کے لئے ایرانی دیوانوں کو مقرر کیا اور ان کی مدد سے کامیابی سے اپنا مالیاتی نظام چلایا۔ عباسی سلطنت کے قیام میں تو ایرانیوں کی گہری دلچسپی اور تعاون شامل رہا ہے اور پھر مامون الرشید تو تھا ہی ایرانی ماں کے بطن سے۔ اس طرح عباسی حکومت کا دارالخلافہ بغداد بھی اسی خطہ میں شامل تھا جو لیسفون کے نام سے ایرانی بادشاہت کا بھی مرکز رہا تھا۔ ہمیں بنو عباس کے اس شاہی نظام میں ہر لحاظ سے گہرے ایرانی اثرات ملتے ہیں۔ پھر ایک موقع یہ بھی آیا کہ مسلمانوں میں بطور اولوالامر شاہ وقت کی اطاعت کرنا لازم قرار دے دی گئی اور شاہ کو ظلِّ الٰہی کا درجہ حاصل ہوا۔ آج برصغیر میں بادشاہت کو ختم ہوئے مدت ہو گئی ہے مگر اب بھی علماء کے خطبوں میں سلطانِ وقت کی اطاعت اور اس کے حکم کو خدائی حکم کے ہم پلہ قرار دیئے جانے کی تکرار محراب و منبر میں بدستور جاری و ساری ہے۔

یہودیوں نے بھی ایرانی ہخامنشی بادشاہت کو قریب سے دیکھا اور پھر وہ ایرانی لشکر کے تعاون سے فلسطین میں دوبارہ داخل ہو کر ایک حکومت کے وارث قرار پائے جو ہخامنشی سلطنت کے زیر سایہ پنپتی رہی۔ انہوں نے خدائے ذوالجلال کی ہیبت و عظمت کا موازنہ بھی ایرانی بادشاہ سے کیا اور فرشتوں کو خدا کے درباریوں کی صورت میں پیش

کیا۔ یہ صورت حال ہمیں دبے دبے لفظوں میں کچھ مفسرین کے ہاں بھی ملتی ہے۔

ایرانی میدان جنگ

مسلمانوں نے فن حرب و ضرب میں بھی ایرانی تجربات سے خوب استفادہ کیا ہے۔ جنگ خندق سے قبل آنحضور ﷺ نے بذات خود حضرت سلمان فارسیؓ سے تزویراتی امور میں مشورہ لیا اور خالصتاً ایرانی طریقہ سے دفاعی جنگ لڑی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے عہد میں ایرانیوں سے طویل جنگ کے نتیجے میں بہت کچھ سیکھا۔ پھر جب ایرانیوں نے اسلام قبول کیا تو اپنے بہت سے فنونِ حرب و ضرب اور دیگر فنون دفاع و جنگ اسلام میں لے آئے۔ پھر وہ اسلام کے بازوئے شمشیرزن بن کر میدان عمل میں اترے۔ ہمیں برصغیر پہ ابتدائی حملہ میں محمد بن قاسم کے ہمراہ ہزارہا ایرانی (صوبہ فارس سے تعلق رکھنے والے) سپاہیوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ محمود غزنوی کے ہمراہ آنے والوں میں ایرانی فوجیوں کے علاوہ عنصری اور فرخی سیستانی جیسے عظیم فارسی شعراء ایران بھی میدان عمل میں ساتھ ساتھ ہوتے تھے جنہوں نے اپنے جنگی واقعات شعروں میں قلمبند کئے ہیں۔ ظہیرالدین بابر کو اکثر اوقات وسط ایشیاء کے حملوں میں ایرانی سپاہ کی حمایت حاصل رہی ہے۔ اسی طرح ہمایوں کے ہمراہ ہندوستان کی دوبارہ تسخیر تو ایرانیوں کی وجہ سے ہی ممکن ہوئی تھی۔ اسی طرح برصغیر کے تمام مسلمان بادشاہوں اور سلطانوں (خصوصاً عہد مغلیہ) کے ہاں فوجی افسروں کی واضح اکثریت فارسی بولنے والے افراد پہ مشتمل رہی ہے۔

علاوہ بریں ایرانیوں کا معمول رہا ہے کہ وہ طویل عرصہ تک جنگ لڑنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں اور اپنی قوم کے وقار کی بحالی کے لئے سالہا سال تک جنگ لڑ سکتے ہیں۔ ایک موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے ایرانیوں سے جنگ کے موقع پر فرمایا تھا کہ اے کاش ہمارے اور ملتِ ایران کے مابین آگ کے پہاڑ ہوتے 'نہ وہ ہماری جانب بڑھتے اور نہ ہی ہمیں ان سے جنگ لڑنا پڑتی۔ یہ چیز ہم ان کی رومیوں سے ہونے والی خونریز جنگوں میں بھی دیکھتے ہیں اور یہی جذبہ اسلامی سپاہ کے حملہ کے موقع پر نظر آتا ہے۔ اسی طرح زمانۂ

جدید میں اس کا مظاہرہ ہم ایران ' عراق جنگ کی طوالت کی صورت میں دیکھتے ہیں۔ ان جنگوں میں ان کا جذبہ یہی ہوتا ہے کہ اپنے تمام وسائل یکجا کر کے خود کو ذلیل و خوار ہونے سے بچا سکیں ' بقول فردوسی ؎

ہمہ سر بہ سر بہرِ کشتن دہیم
ازان بہ کہ ایران بہ دشمن دہیم

(ہم ایک ایک کر کے اپنے سر کٹا دیں یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم ایران دشمن کے سپرد کر دیں)

یہ شعر بھی فردوسی طوسی نے ہزار برس قبل ایران پہ اسلامی سپاہ کی فتح کا بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔

جذبۂ حبّ الوطنی اور قوم پرستی

حبِّ وطن ایرانیوں کا شیوہ رہا ہے۔ انہیں اپنی تہذیب ' زبان ' تمدن ' تاریخ اور سر زمین پر فخر رہا ہے۔ وہ غیر ملکی قبضہ سے نفرت کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ ایران کی مملکت سکندر اعظم ' حضرت عمر فاروق ؓ اور چنگیز و ہلاکو خان کے ہاتھوں غیر ملکی قبضے میں گئی ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ سے ان کی ایک گونہ نفرت کی وجہ ایران کی سلطنت کا انقراض اور ایرانی فخر و مباہات کا خاتمہ تھا۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی فتح کے بعد یہ بات انتہائی اہم ہے کہ ایرانی قریب قریب بحیثیت قوم مسلمان ہو گئے تھے۔ ہر چند اسلام کے دین مبین ' قرآن کے ابدی اصولوں اور رسول اکرم ﷺ کی نبوت پر وہ ایمان لے آئے تھے لیکن اسلامی فاتحین سے جبلی نفرت ہمیں بعد کے ایرانی افکار میں ہر کہیں پر دبے دبے انداز میں ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

ہم علامہ اقبال کے ضمن میں ایرانی پروفیسر پورداؤد کا ایک بار پھر ذکر کریں گے۔ یہ وہی پروفیسر ہے جس کا تمام تر تحقیقی کام اور تخصص قبل از اسلام کے ساسانی ادب اور تاریخ سے ہے۔ اس نے ایک بار ہندوستان کے سفر (قبل از تقسیم ہند) کے موقع پر علامہ اقبال کی ذات کے بارے میں چند ایک قابل اعتراض جملے بھی کہے تھے۔ چونکہ استاد

پور داؤد کی تمام تر تصانیف زرتشتی ایران کی تجلیل و تمجید کے بارے میں رہی ہیں ہم یہاں پر اس کے اشعار کی رو سے ہرمزان (ایرانی جرنیل) اور حضرت عمر فاروقؓ کے مکالمہ کے بارے میں قارئین کو متعارف کرواتے ہیں :

چو شد واژگون تختِ ساسانیان
مداین بیغماشد از تازیان

(جب ساسانیوں کا تختہ الٹ گیا اور ایران کا دارالحکومت مدائن عربوں کے ہاتھ مال غنیمت کی صورت میں لگا)

سپاہِ عمر تا بہ جیحوں رسید
بخون خفتہ شہزادگان را بدید

(حضرت عمر کی فوج دریائے جیحوں کے کنارے تک جا پہنچی اور اس فوج کے ہاتھوں شہزادے خون میں لت پت ہو کر دم توڑ گئے)

یلِ نامور ہرمزانِ دلیر
کشیدہ بہ زنجیر برسانِ شیر

(مشہور بہادر پہلوان ہرمزان کو شیر کی طرح زنجیر میں جکڑ کر لے جایا گیا)

ببردندش سوی مدینہ دوان
بہ نزدِ عمر رہبرِ تازیان

(اس حالت میں اسے دوڑاتے ہوئے مدینہ میں عربوں کے سربراہ حضرت عمر کے پاس لے گئے)

نگہ کردش آن تازیٔ کینہ جوی
پس آنگہ کشود آن لبِ گفتگوی

نعوذباللہ نقل کفر کفر نباشد (اس کینہ جو عرب نے اس پہ غصے سے ایک نظر دوڑائی اور پھر گفتگو شروع کی)

ہر آنکس بہ اسلام جنگ آورد
سرش را خدا زیر سنگ آورد

(جو بھی اسلام کے خلاف برسرپیکار ہوتا ہے خدا اس کا سر پتھروں سے ڈھک دیتا ہے)

ہم مزید شعر بیان کئے بغیر حضرت عمرؓ کے خلاف روایتی ایرانی عناد کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ چیز دراصل ادب، شعر اور تاریخ میں جلوہ گر رہی ہے۔ شکست خوردہ حالت میں بھی ایرانی اپنی عزت نفس اور فخر کا جذبہ قائم رکھنے کی کوشش ضرور کرتے نظر آتے ہیں۔ ایرانی ہر اس شخص کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں جو ان کے شعائر اور قومی روایات کی تحقیر کرتا ہو۔ وہ سکندر اعظم سے شکست خوردگی کے بعد بھی اپنے آپ کو تسلی دلانے کے لئے من گھڑت حکایات بیان کرنے سے نہیں چوکتے۔ سکندر اعظم کو وہ ایرانی بادشاہ داریوش کا بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ داریوش (یا دارا) نے سکندر کے باپ فیلپ مقدونی سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا اور پھر اسے وہ بیاہ کر ایران لے آیا اور پھر کچھ عرصہ بعد واپس یونان بھیج دیا جہاں اس عورت نے داریوش کے بیٹے کو جنم دیا جسے سکندر کا نام دیا گیا۔ اس کہانی کو فردوسی اس طرح بیان کرتا ہے۔

دلِ بادشاہ سرد گشت از عروس
فرستاد بازش سرِ فیلپوس

(جب بادشاہ یعنی دارا کا دل اس دلہن سے اکتا گیا تو اسے واپس اس کے باپ فیلپ کے پاس بھجوا دیا)

چو نُہ ماہ بگذشت از آن خوب چہر
یکی کودک آمد چو تابندہ مہر

(جب نو ماہ پورے ہوئے تو اس سورج جیسی خوبصورت خاتون نے ایک بچہ جنم دیا)

زبالا ورنگ وزبوی و برش
سکندر ہمی خواندی مادرش

(اس کے قد اور جسم میں خوبصورتی اور رنگ و بو کا سماں تھا جس کی وجہ سے ماں نے اسے سکندر کہا)

ہمی گفت قیصر بہر مہتری
کہ پیدا شد از نسلِ من قیصری

(شرم کو چھپانے کے لئے فیلپ نے سرداروں میں مشہور کردیا کہ میرے ہاں ایک شہزادے نے جنم لیا ہے)

ہمی ننگش آمد کہ گفتی بہ کس
کہ دارا ز فرزندِ من کرد بس

(اسے وہ ماجرا سناتے ہوئے شرم آرہی تھی جو اس کی بیٹی پر دارا کے ہاتھوں بیتا تھا)

اسی طرح کی من گھڑت داستانیں اور احساسات ایران کے ماضی پر فخر کرنے کا جواز مہیا کرتی تھیں اور ایرانی ایک موقع پر تو اس قدر قدیم ساسانی اور ہخامنشی عہد کی تواریخ کے دامن میں پناہ لینے لگے کہ ان کے ہاں اسلام کا جذبہ ماند پڑتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس قومی جذبے کو اشتعال دلا کر محمد رضا شاہ پہلوی نے ایرانی قومیت کی اساس پر اپنی بادشاہت کو مستحکم کرنا چاہا تھا اور یہی وہ وقت تھا جب علامہ اقبال کو ایران کے حد سے بڑھے ہوئے جذبہ قومیت اور عربوں سے نفرت پر دلی دکھ ہوا تھا۔ مثال کے طور پر ہم پھر یہاں پر پورِ داؤد کے شعر بیان کرتے ہیں۔

فرو فیروزی ملت ما پیداست ہنوز
کیش زرتشت ز آتش کدہ بر جاست ہنوز
تخت جمشید بلند اختر برپاست ہنوز
طاق کسریٰ بلب دجلہ ہویداست ہنوز
ماند آن ملک کزو ماند بجا نام و نشان

(ہماری قوم کی کامیابی کے نشان اور کروفراب بھی ظاہر ہیں۔ آتش کدوں کے نشانات کے باعث زرتشت کا دین اب بھی زندہ ہے۔ اپنی تمام تر شان وشوکت کے ہمراہ تخت جمشید اب بھی قائم و دائم ہے اور دجلہ کے کنارے طاق کسریٰ کے اب بھی نشانات موجود ہیں۔ جس ملک کا نام ونشان باقی ہو وہ ملک قائم رہتا ہے)

یہ جذبہ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اس صدی کے آغاز میں ایک مشہور ایرانی عالم دین نے کہا تھا کہ ہم اپنے ملک میں گھس کر آنے والے ہر شخص کو پہلے قتل کریں گے، پھر یہ دیکھیں گے وہ مختون ہے یا غیر مختون۔ پہلے ہم یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کریں گے کہ آیا وہ

مسلمان ہے بھی یا نہیں۔ یہی قوم پرستی کا جذبہ تھا جس کے تناظر میں ہمیں ایران کی جدید تاریخ کا مطالعہ کرنا ہو گا اور اس قوم کے جذبات کو سمجھنا ہو گا۔

تاریخ میں جہاں شکست خوردگی اور ہزیمت کا ذکر آئے گا وہاں پر ایرانی حماسہ سرائی کے ذریعہ دردمندانہ اور آرزومندانہ رزمیہ شعر کہتے ہوئے قوم کو بیداری کے لئے اکسائیں گے۔ یہی بات نہ صرف ہمیں مرثیہ میں نظر آتی ہے بلکہ ایران کی قومی تحریکوں کے احیاء میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ جس طرح اساطیری عہد کے ایران میں ایک لوہار کاوہ نے ضحاک جیسے ظالم غیر ملکی حکمران کے استبداد کے خلاف اپنا علم بلند کر کے قوم کو بیدار کیا تھا اسی طرح ساسان نے اپنے معبد ناہید سے نکل کر قوم میں نئی روح بیدار کی تھی۔ کسی شاعر نے انقلاب سے چند برس قبل کیا خوب کہا تھا۔

ایرانیان کہ تختِ کیان آرزو کنند
باید نخست کاوۂ خود جستجو کنند

(اہل ایران جو تخت کیان کی آرزو لے کر آہیں بھر رہے ہیں انہیں چاہئے کہ سب سے پہلے وہ اپنا کاوہ تلاش کریں)

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے مرد آزاد کی قیادت تسلیم کریں جو ان کو جد و جہد کی مشکلات سے گزارتا ہوا منزل مقصود تک پہنچا دے۔

اسی قومی جذبے نے نہ صرف ایران کی زبان اور روایات کو زندہ رکھا بلکہ ہر دور میں ان کا قومی مزاج بھی بحال رہا۔ اسی مزاج کا اثر تھا کہ وقت آنے پر یہ قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ہر چیلنج کے مقابلے میں ڈٹنے کی اعلیٰ صلاحیت کا مظہر بن کے ابھرتی رہی ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ قومی جذبات میں اسلام کا مذہبی جذبہ بھی شامل ہو گیا اور پھر قومیت کا اور مذہب کا امتزاج ایک خوبصورت رخ اختیار کر گیا۔

ایرانی طرز فکر

ایران میں عظیم سلطنت کا ایک عرصہ تک وجود رہا ہے۔ اسی وجہ سے وہاں پر ایک منظم مالیاتی نظام، فوجی نظم و نسق اور قانون و آئین کا دور دورہ رہا ہے۔ اسلام قبول

کرنے کے بعد قانون سازی، اجتہاد اور فقہ کی تدوین و ترقی میں ان کا یہ جذبہ بروئے کار آیا۔ نہ صرف امام ابو حنیفہؒ جیسے عظیم فقیہ یہاں پر پیدا ہوئے بلکہ رازی اور غزالی جیسے مفکرین، شہاب الدین سہروردی جیسے خود شناس صوفی بزرگ اور مولانا روم اور سنائی و عطار جیسے پرجوش روحانیت کے داعی بھی ایران ہی میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ سعدی و جامی اور حافظ کی شاعری ہو یا سعدی و رومی و عطار کا فلسفہ اخلاق، غزالی کی کردار سازی ہو یا مذہبی مسائل کا استدراک، رازی کا استدلال اور منطق ہو یا امام مسلم کی تحقیق و تفحص، حضرت عبد القادر گیلانی کی خدا شناسی اور درویشی ہو یا سید علی ہمدانی کی تبلیغ، یہ تمام جہتیں انہی جذبات و تفکرات کی آئینہ دار نظر آتی ہیں۔

ابن سینا، نصیر الدین طوسی، عطا ملک جوینی اور ملا صدرا جیسے مفکرین کہاں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح معین الدین چشتی اجمیری اور جلال الدین تبریزی (سلہٹی) کے درجہ کے صوفیاء اور مبلغین باعمل صرف اسی خاک سے جنم لے سکتے تھے۔

یہی ذہنی کشمکش ہمیں علامہ اقبال کے تفکرات میں جلوہ فگن نظر آتی ہے جہاں آپ فرماتے ہیں :

اسی کشمکش میں گذریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی

اور کبھی فرماتے ہیں :

سنائی کے ادب میں مَیں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا!

یہ تفکر، تعمق، استدلال، جذبہ اور جوش ہمیں کسی اور قوم کے ادباء و شعراء اور صوفیاء میں نظر نہیں آتا۔ حضرت علی ہجویریؒ کی تصوف کے موضوع پر لکھی گئی پہلی فارسی کتاب کشف المحجوب سے لے کر علامہ اقبال کی ارمغان حجاز تک کا نو سو برس پہ محیط دور لاہور کے ایرانی اور عجمی فکر کا آئینہ دار ہے۔ کہیں ہمیں قرون اولیٰ کا مسعود سعد سلمان لاہوری نظر آتا ہے کبھی مغلیہ دور کا ملا شاہ بدخشی، کہیں حضرت میاں میر کی ذات گرامی ہے اور کہیں لاہور کے قیام کے دوران صائب تبریزی کی غزلیات۔ راقم الحروف

نے بہت پہلے کہا تھا :

بس معطر می کند ہر گوشۂ لاہور را
آن نسیمی کو بیاید از صفاہانِ شما

(لاہور کے ہر گوشے کو وہ بادِ نسیم جو تمہارے اصفہان سے چل کر آرہی ہے پوری طرح معطر کررہی ہے)

انہی ایرانی الاصل مبلغین کا استدلال ہی تو تھا کہ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے نتیجہ میں ہمارے آباءواجداد نے کلمہ حق پڑھ کر کفرستان ہند میں طرح حرم رکھ دی۔

ایرانی جشن

ایرانی بہار کی آمد اور شیطانی غلبہ سے آزادی کی یاد میں جشنِ نوروز مناتے چلے آرہے ہیں اور اسے عید کا درجہ دیتے رہے ہیں۔ اسی طرح موسم سرما میں ان کی عید مہرگان ہے۔ یہ دونوں عیدیں رسول اللہ کی ہجرت تک مدینہ منورہ میں بھی منائی جاتی تھیں۔ آپ نے ان کو منسوخ فرماکر عید الفطر اور عید الاضحیٰ منانا شروع کیا۔ ہمارے ایرانی احباب ایک حدیث بیان فرماتے ہیں جس کے مطابق آنحضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں عید نوروز کا حلوہ بھی تناول فرمایا تھا اور خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یہ عید ابھی تک ایران اور فارسی بولنے والے دیگر ممالک میں منائی جاتی ہے۔ محمود غزنوی کے دربار میں پڑھے گئے عید نوروز کے قصائد ابھی تک موجود ہیں اور مغلیہ دور میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک ہمیشہ عید نوروز پورے جوش و جذبہ سے منائی جاتی رہی۔ جہانگیر نے تو اپنی توزک کے ابواب کو جب مختلف سالوں کے احوال پر تقسیم کیا تو ہر باب کو روز نوروز کا نام دیا۔ پہلے سال کو وہ روز اول نوروز اور دوسرے برس کو روز دوم نوروز سے یاد کرتا ہے۔ پاکستان کے دور دراز کے علاقوں میں کہیں کہیں ابھی تک نوروز کا میلہ منعقد ہوتا ہے۔ سکھوں کی بیساکھی بھی تو نوروز کی صورت ہی ہے۔ آج بھی نوروز کا تہوار ایران میں سرکاری طور پر منایا جاتا ہے اور منایا جاتا رہے گا۔ ہمارے ہاں عید کے پکوان اور اس موقع پر ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا اور کھانے پیش کرنا' یہ کسی حد تک نوروز کے جشن سے مماثلت رکھتے ہیں۔ (جاری ہے)

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

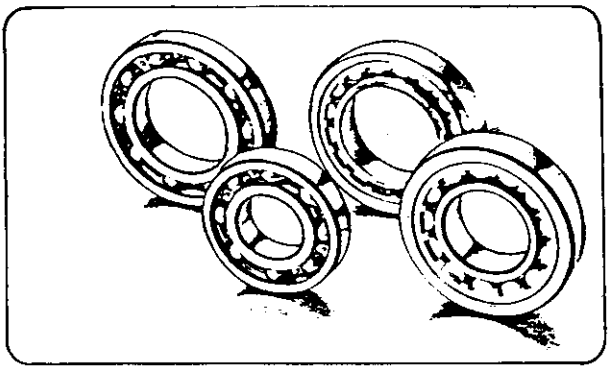

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)** Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 46 No.9
Sept. 1997

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

The
Qur'anic
Horizons

Patron: Dr. Israr Ahmad

July-September 1997 issue is now available!

Contents

- The Post-Modern Destiny of Islam
  (By Basit Bilal Koshul)
- The Dynamic Range of Faith
  (By Yahya Ahmed Herlihy)
- Islamic Provisions of the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973 What More is Required?
  (By Dr. Tanzilur Rahman)
- Strategy for the Elimination of *Riba*
  (By Dr. Sayyid Tahir)

Send Orders to:

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore
36-K, Model Town, Lahore-54700
Phone: 5869501-3 Fax:5834000 E-Mail: anjuman@brain.net.pk